U73830, 8-12-07

Title - KHUSHHAAL HINDUSTAN TARJUMA PROSPO-
-ROUS BRITISH INDIA.

Creator - William Digbi; mutarjuma Ghulam Qadir
Faseeh.

Publisher - Mufeed Aam Press (Siyalkot).

Date - 1907.

Pages - 159.

Subjects - Tareekh - Hindustan.

خوشحال ہندوستان!!!

ترجمہ

پراسپرس برٹش انڈیا

مصنفہ

مسٹر ولیم ڈگبی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ ممبر پارلیمنٹ

مترجمہ

منشی غلام قادر فصیح میونسپل کمشنر

شہر سیالکوٹ ۱۹۰۸ء

پہلی جلد

تعداد اشاعت ایک ہزار........ قیمت فی جلد عہ
خرچ وی پی ۲
سرورق مفید عام پریس سیالکوٹ میں چھپا

عرض

مصنّف نے یہ کتاب بڑی دردمندی اور دلسوزی کے ساتھ لکھی ہے اور دل سے آرزو کی ہے کہ ہندوستان پر انگریزی حکومت ایسی طرز سے کی جاوے کہ ہندوستانیوں کے لئے برکت اور رحمت کا موجب ہو اور ہندوستانی ہمیشہ کے لئے انگریزوں کی حکومت کے سایہ میں سرسبز اور خوشحال رہیں۔

چونکہ کتاب بڑی ضخیم ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ پبلک کہانتک اسکی قدر کریگی اس لئے مینے سالم کتاب شایع کرنے کی جرأت نہیں کی۔ اگر پبلک نے اسے پسند کیا تو باقی کتاب بھی شایع کر دی جائے گی۔

پبلک کا خادم

خاکسار۔ فصیح

خوشحال ہندوستان!!!

ترجمہ

پراسپرس برٹش انڈیا

مصنفہ

مسٹر ولیم ڈگبی۔ سی۔ آئی۔ ای

سنہ ۱۹۰۱ء

مترجمہ

منشی غلام قادر فصیح ایڈیٹر پنجاب جنرل شہر سیالکوٹ

سنہ ۱۹۰۷ء

جس سوال پر میں غور کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اس گورنمنٹ نے معہ اپنی کل کے تمام پرپرزوں کے جو ہندوستان میں موجود ہے۔ ہندوستان کے باشندوں کی عام خوشحالی کو بڑھایا ہے یا نہیں اور آیا ہندوستان برٹش تاج کا صوبہ ہونے سے۔ بہتر حالت میں ہے یا ابتر حالت میں؟ بس یہی کسوٹی ہے +

سر۔ ایچ۔ ایچ۔ فولر۔

میں صرف اپنی طرف سے بولتا ہوں!!
میرا کوئی حق نہیں۔ کہ میں اپنے بھائیوں کی طرف سے متکلم ہوں!!

زمین بیمار ہے اور آسمان ماندہ ہے۔
ان کھوکھلے الفاظ سے جو ریاستیں اور سلطنتیں بولتی ہیں
جب کہ وہ سچائی اور انصاف کا ذکر کرتی ہیں۔
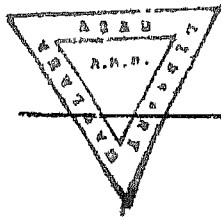
رائٹ آنریبل لارڈ جارج
ہملٹن - ایم - پی - سیکرٹری
آف سٹیٹ فار انڈیا کا
ہوس آف کامنز میں اقبال
مورخہ ۱۹ - اگست سنہ ۱۹۰۱ء

"میں فی الفور تسلیم کر لیتا ہوں کہ
اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ ہندستان
ہماری زیر حکومت مالی حالت میں
پست ہو گیا ہے تو ہم خود اپنے
آپ کو ملزم قرار دیتے ہیں اور ہم
پر اس ملک کو آئندہ اپنے قبضہ
میں رکھنے کا اعتبار نہیں ہونا
چاہیے"

ایک تشریح سے ثابت ہوتا ہے
کہ موجودہ سیکرٹری آف سٹیٹ
فار انڈیا نے انڈیا آفس میں ملازمت
کے زمانہ میں اتنی تنخواہ وصول کی
ہے - جو نوّے ہزار ہندوستانیوں
کی سالانہ آمدنی کے برابر ہے!

ہندوستان کے باشندوں کی گھٹتی ہوئی آمدنی

غیر سرکاری تخمینہ آمدنی -
سنہ ۱۸۵۰ء میں

۲ پنس یعنے دو آنہ
فی کس یومیہ

سرکاری تخمینہ آمدنی -
سنہ ۱۸۸۲ء میں

۱½ پنس یعنے ڈیڑھ آنہ
فی کس یومیہ

تمام ذرائع آمدنی کی مشرح
جانچ پڑتال
سنہ ۱۹۰۰ء میں

¾ پنس یعنی تین پیسہ
سے کچھ کم فی کس یومیہ

نذر

یہ کتاب بلا اجازت

مندرجہ ذیل اصحاب کی نذر کیجاتی ہے

رائیٹ آنریبل لارڈ جارج ہملٹن - پی - سی - ایم - پی -
ہز میجسٹی کا سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا

جس نے کہا ہے

تم کہتے ہو کہ ہندوستان دن بدن مفلس ہو رہا ہے اور سالانہ کال نہایت زور اور تواتر کیساتھ اسکے ذرایع کو کم کر رہا ہے۔ میں زور سے کہتا ہوں کہ تم دھوکھا کھا رہے ہو۔

ہز اکسیلنسی لارڈ کرزن آف کڈلسٹن جی ایم ایس آئی جی ایم آئی ای
وائسرائے اور گورنر جنرل انڈیا

جو نہایت سرسری (تجسسانہ تحقیقات کو چھوڑ کر) طریقہ سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ کیوں وہ ملک جسپر وہ حکمران ہے ایسی سخت مصیبت میں مبتلا ہے۔

رائیٹ آنریبل سر ہنری ایچ فولر - جی سی - ایس - آئی - پی سی - ایم - پی -
سابق سکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا

جو خیال نہیں کرتا کہ تاریخ میں کوئی ایسی اچھی - عادل - منصف - امن پسند اور کامیاب گورنمنٹ دکھائی دے سکتی ہے جیسی کہ گریٹ برٹن کی گورنمنٹ ہندوستانی سلطنت میں ہے۔

برٹش نسل کا ہر ایک مرد اور عورت
جسکی یہ خواہش ہے کہ ہماری حکومت ہندوستانی رعایا کیلئے
برکت کا موجب ہو۔

اس اُمید کے ساتھ

کہ جو فیکٹ اسمیں درج کئے گئے ہیں وہ کروڑہا برٹش رعایا کیحالت سنوارنے کا موجب ہوں جو لوگ ہر ایک نوروز پر اس زمانہ میں داخل ہوتے ہیں جو بالعموم انکے ملک کیلئے یقیناً گذشتہ سالوں سے ابتر آتا ہے۔

خط

بنام

رائٹ آنریبل لارڈ جارج ہملٹن - پی - سی - ایم - پی - سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا - انڈیا آفس لنڈن -

ڈورسٹ ہوس - ڈورسٹ چوک -

لنڈن - ان - ڈبلیو مورخہ ۱۵ - نومبر ۱۹۰۱ء

مائی لارڈ

ہوس آف کامنز میں بیٹھنے کا حق حاصل ہونے کی وجہ سے مجھے آپ کی ایک تقریر سننے کا موقعہ ملا - جو آپ نے ۱۶ - اگست کو ہندوستان کا مالی بجٹ پیش کرتے ہوئے دی تھی -

اس تقریر میں جیسا کہ اخبار ٹائمز میں چھپا ہے آپ نے یہ کہا تھا :-

"اس ملک میں اور ہندوستان میں ایک چھوٹا سا سکول (فرقہ) ہے جو متواتر اظہار کر رہا ہے - کہ ہماری حکومت ہندوستان کا خون چوس کر اس کو مار رہی ہے - میں جب سے وزیر ہند مقرر ہوا ہوں میں نے اس بارہ میں سخت محنت کی ہے کہ کوئی صحیح واقعات اعداد اور شہادت تلاش کئے جاویں جو اس اظہار کی تصدیق کریں - میں تسلیم کرتا ہوں کہ اگر یہ ثابت کر دیا جاوے کہ ہماری حکومت کے ماتحت ہندوستان مالی حالت میں پست ہو گیا ہے تو ہم خود ہی اپنے آپ کو ملزم گردان لیں گے اور ہم اس قابل نہیں سمجھے جاویں گے کہ ہم پر اس ملک کو قبضہ میں رکھنے کا آئندہ کے لئے اعتبار کیا جاوے مگر اس قسم کی کوئی شہادت اعداد یا فیکٹ مجھے حاصل نہیں ہوئے - یہ تو بالکل عیاں ہے کہ پبلک کا ایک فرقہ اس جگہ اور ہندوستان میں موجود ہے جو اس الزام پر ضرور یقین رکھتے ہیں کیونکہ وہ بار بار اور زور کے ساتھ اس کا اظہار کرتے رہتے ہیں مگر انکے یقین کی بنا کسی عدد فیکٹ (حقیقت) یا اکونومک (معاشرتی) اصول پر نہیں - بلکہ خوش کن منطقی بحث پر ہے جس کے تکرار کرنے میں وہ تھکتے نہیں "

یہ ریمارک جواب طلب ہیں -

جس چھوٹے سکول کا آپ نے حوالہ دیا ہے اس کا سب سے پہلا اور سب سے زیادہ نامور ماسٹر مارکوئیس آف سالسبری ہی تھا - جو اس وقت سلطنت متحدہ کا وزیر اعظم ہے ۱۸۷۵ء میں جبکہ وہ وزیر ہند تھا اس نے اس بات پر زور دیا - کہ "چونکہ انڈیا کا ضرور خون نچوڑنا ہے اس لئے یہ نشتر حکمت سے کھولنا چاہیئے" اور

اس نے اس بات پر افسوس ظاہر کیا۔ کہ ہندوستان کی بہت سی آمدنی برآمد کی جاتی ہے۔ مگر اس کا براہ راست معاوضہ کچھ بھی نہیں دیا جاتا۔ ہم میں سے کسی کے منہہ سے بھی جو ہندوستان کے افلاس کی بابت لکھتے ہیں اپنے بڑے ماسٹر کے الفاظ ابھی تک نہیں نکلے۔ جو آپ کا اس وقت پولیٹکل سیفٹ ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے صرف اسی نے ہی ہندوستان کے خون نچوڑے جانیکا ذکر سب سے پہلے کیا۔

۲- غالباً آپ اس ” اتفاق کرینگے۔ کہ دوسرا جملہ جو اوپر کوٹ کیا گیا ہے اور بعض فقرے جو اس کے بعد مذکور ہوتے ہیں آپ نے عالم بیخودی میں کہہ دیئے ہونگے۔ جو دراصل فصاحت کی ضرورت کیوجہ سے لاحق ہو جاتی ہے اور افسوسناک بے احتیاطی بنجاتی ہے اس سے تھوڑا عرصہ بعد آپ نے اپنی تقریر میں لارڈ کرزن کے بعض بیانات کی تکرار کی۔ جو انہوں نے اپنی بجٹ سپیچ میں کئے تھے۔ لیکن ان بیانات کی تردید جنکی بنا سراسر قریب ترین شایع شدہ سرکاری ریکارڈ کے نقشجات پر تھی۔ اس سے چار ماہ پہلے آپ کے پاس موجود تھی۔ جبکہ آپ نے وائسرائے کے غلط بیانات کو دوہرایا۔ مجھے بخوبی معلوم ہے کہ آپ کے پاس اس تردید کی شہادت پہنچ گئی تھی۔ کیونکہ آپ نے اس دستاویز کی رسید جسمیں اس تردید کا ذکر تھا۔ ماہ اپریل کے وسط میں اپنی ہدایت پر تسلیم کی تھی۔ آپنے ہندوستان کو ان بیانات کے دُہرانے اور اُنپر زور دینے سے سخت ضرر پہنچایا ہے جن کی نسبت آپ کے پاس یہ ثبوت موجود تھا۔ کہ دراصل وہ بے بُنیاد ہیں۔

۳- آپ کہتے ہیں کہ اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ ہندوستان ہماری زیر حکومت مالی حالت میں پست ہو گیا ہے تو ہم اپنے آپ کو خود ہی ملزم گردان لینگے اور یہ بھی آپ کہتے ہیں کہ آیندہ کے لئے اس ملک پر قبضہ رکھنے کا اعتبار ہم پر نہیں ہونا چاہئیے۔

میں التماس کرتا ہوں۔ کہ آپ مہربانی کرکے میری کتاب کو جو اس عریضہ کے ہمراہ ارسال ہے۔ منظور فرمادیں۔ جس میں آپ کے دفتر کے کاغذات سے باہر جانے کے بغیر میں نے اپنے خیال میں بلاشبہ ثابت کر دکھایا ہے کہ آپ کے زیر حکومت ہندوستان نہ صرف مالی حالت میں ہی بلکہ بعض اور صورتوں میں بھی

نہایت سخت خطرناک پست حالت پہ پہنچ گیا ہے یا یوں کہو اگر آپ کے اپنے فیکٹ اور اعداد پر اعتبار ہو سکتا ہے تو میں نے اس بات کو بخوبی ثابت کر دیا ہے آپ ان اعداد و شمار کو سال بسال پارلیمنٹ کی ہدایت اور آگاہی کے لیئے پیش کرتے ہیں اور اس لیئے انہی سے آپ پر نکتہ چینی کیا ہے تو آپ کو مطمئن ہو جانا چاہیئے۔ بدقسمتی سے یہ اعداد و شمار۔ صحیح مطلق ہونیکے بہت ہی قریب ہیں۔

۴۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ آپ کو ابتک کوئی فیکٹ۔ عدد یا شہادت ایسی نہیں ملی۔ جس سے مالی حالت کی پستی ثابت ہو سکے۔" آپ اس بات کو تو تسلیم کرتے ہیں کہ اس پستی کا اعتقاد تو موجود ہے مگر آپ کہتے ہیں کہ اس کی بنا کسی عدد فیکٹ یا معاشرتی اصول پر نہیں ہے۔ آپ اس اصول کی عدم موجودگی کی ناخوش حالت میں نہ رہیئے۔ جو کتاب میں بھیجتا ہوں۔ اسمیں بکثرت اعداد فیکٹ اور معاشرتی اصول آپ کو دکھائی دینگے۔ میں نے اسمیں عقلیہ مسلمہ قواعد سے سروکار نہیں رکھا۔ جو زیادہ پسندیدہ ہیں یا نہیں۔ میں نے ہندوستان کے لوگوں کے متعلق انکو نیک اصول کو مدنظر رکھا ہے اور ایسا کرتے ہیں میں نے سادہ طور پر آپ کے اعداد آپ کے فیکٹز اور آپ کی شہادت سے کام لیا ہے اسیلئے میں آپ کو خصوصیت کے ساتھ چھٹے باب سے بارھویں باب تک توجہ دلانے کی جرأت کرتا ہوں۔ میں یہ بھی عرض کرتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ آپ ابتدائی باب اور پہلے پانچ باب بھی نظرانداز نہیں کرینگے۔ ہر کہیں میں نے ان فیکٹز پر انحصار رکھا ہے۔ جو انڈیا آفس سے مجھے ملے ہیں۔ صرف انہی پر۔ اور کسی پر نہیں۔ میرے علم کا چشمہ وہائٹ ہال سے نکلتا ہے اور اس کا منبع وہ بلند کمرہ ہے جسمیں آپ کئی سال سے تشریف رکھتے ہیں

میں عرض کرتا ہوں کہ آپ میری کتاب کے صفحوں کو غور سے مطالعہ فرمائینگے۔ میری درخواست کسی عام آدمی کیطرح نہیں گو اس قسم کے عام آدمیوں کی واقفیت کو آپ کے ایک ہم جلیس نے وزرا کی واقفیت کے برابر قرار دیا تھا۔ اس قسم کے معاملہ میں مجھے حق حاصل ہے کہ آپ میرا لحاظ کریں کیونکہ بیس سال گذرے ہیں جب آپ انڈیا آفس میں داخل ہوئے تھے تو کم از کم ایک

ڈسپیچ گورنمنٹ آف انڈیا کا آپ کے ہاتھ سے گذرا تھا جس میں مجھ ناچیز کا شکریہ
ادا کیا گیا تھا۔ اس لئے کہ میں نے بقول وائسرائے اور اس کے مشیروں کے
ان کو ہندوستان میں از خود امدادی کوششوں کے متعلق ہفتہ وار اطلاع دیتے
رکھی جو کچھ میں نے ۱۸۷۷ء میں کیا تھا۔ اور جس طریقہ سے کیا تھا۔ اس سے وائسرائے
پر ایسا اچھا اثر پڑا کہ اس نے مجھے اطلاع دی کہ مجھے آئندہ سال کی قحط کمیشن
کا ممبر نامزد کرنیکا ارادہ کیا گیا ہے۔ اس دور زمانہ سے لیکر آج ۱۹۰۱ء
کی ساعت تک جس میں یہ چٹھی لکھی جا رہی ہے میں نے لحظہ بھر بھی اس انٹرسٹ
میں کمی نہیں ہونے دی جو اس وقت میرے دل میں اپنے ہندوستانی ہم رعایا
کے متعلق پیدا ہوا تھا۔ اور نہ ہی میں نے انکی ضروریات سے واقفیت حاصل
کرنے میں کسی موقعہ کو ہاتھ سے دیا ہے۔ اگر میں نے بعض بابوں میں میں نے زیادہ
جوش بھرے دل کے ساتھ لکھا ہے۔ جس کا میں اقرار کرتا ہوں تو باقی بابوں
میں بھی جو کچھ میں نے لکھا ہے اسی جوشیلے دل کے ساتھ لکھا ہے۔

کچھ تو ان فیگرز کی وجہ سے جنکا میں نے پرا باندھ دیا ہے اور کچھ اس وجہ سے
کہ میں نے اس سوال پر سالہا سال غور کی ہے جو شہادت میں نے پیش کی ہے
اور جو نتائج اس سے اخذ کئے ہیں اُن پر کامل غور ہونی چاہیئے۔ اور مُلک کے
فایدہ کے لحاظ سے میں درخواست کرتا ہوں۔ کہ میرے اقوال اور نتائج کی کماحقہ
کسی بڑے لائق آدمی سے پڑتال کی جانی چاہیئے۔ جو ہندوستان پر حکومت کرنے
میں آپ کا معاون ہے اگر یہ ثابت ہو جائے کہ میں غلطی پر ہوں تو اپنے بیانات
ایسے ہی عام طور واپس لونگا۔ جیسے عام طور پر میں نے انہیں پیش کیا ہے لیکن
اگر برخلاف اس کے یہ تسلیم کر لیا جائے۔ کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے صحیح لکھا ہے
تو آپ فی الفور مان لیں کہ ہندوستان مالی حالت میں پست ہو گیا ہے۔ اور
ایسا طریقہ تجویز کریں جس سے اس کا کافی علاج ہو سکے۔ وہ طریقہ ایسا ہو۔ کہ آپ
کے اس شجاعانہ ارادے کی ضرورت نہ رہے کہ آپ ہندوستان سے کنارہ کش
ہونا پڑے۔ جیسے آپ نے اپنا فرض ظاہر کیا ہے

میں ادب کے ساتھ التماس کرتا ہوں کہ میری کتاب کے بیانات پس پشت

نہ ڈالدیئے جائیں۔ اسمیں آپکی سپیچ میں جو چیلنج ہے۔ اس کا جواب دیاگیا ہے
آپ کی ہی خواہش ہوسکتی ہے کہ سچ ظاہر ہو۔ اسپارہ میں ہم ایک ہی نہیں کتاب
کا مصنف کچھ چیز نہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں اس کو چھوڑ دیں۔ اور اس کا اول آخر
مطلق خیال نہ کریں۔ لیکن چونکہ میں نے اپنے اقوال کی نسبت ظاہر کیا ہے کہ
دراصل وہ سراسر آپ کے ہی ہیں۔ اور اصلی لفظوں میں ہیں۔ اس لیئے میں
منت کرتا ہوں کہ آپ ہندوستان کی خاطر اتنا بیان کردیں۔ کہ جو کچھ میں نے کہا ہے
وہ غلط ہے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو آپ اپنی پالیسی اسطح بالکل تبدیل کرڈالیں
کہ فیکٹری کی لائین کے برابر برابر چل سکے۔

میں نے کسی جگہ بھی اپنی طرف سے شہادت نہیں دی۔ بلکہ آپ کی شہادت ہی پیش
کی ہے۔ یا تو اسے تسلیم کرلینا چاہیئے۔ اور یا اسکی تردید کرنی چاہیئے۔ مجھے غریب
کی تو یہ آرزو ہے کیونکہ مجھے اور کوئی طاقت یا اقتدار حاصل نہیں سوائے اس کے
جو میرے کام کی صداقت اور انصاف میں شامل ہے۔ کہ محض ایک عام انسانی
ہمدردی کے جوش سے بھر کر میں بےزبان۔ بیکس۔ نہایت صابر
اور ہمیشہ دکھ اٹھانیوالے لوگوں کی طرف سے
آپ کو یہ چیلنج کرتا ہوں۔ کہ آپ میرے بیانات کی تردید کریں۔

میں ہوں آپ کا صادق
ولیم۔ ڈگبی"

یہ کتاب میرے ارادہ سے زیادہ ضخیم ہو گئی ہے اور مجھے اس بات کا افسوس ہوتا۔ اگر ہندوستان بڑا مُلک نہ ہوتا۔ جسکی وسعت اور مختلف پیچیدہ سوالات کی وجہ سے اس کے لئے زیادہ جگہ دی جانی ضروری تھی۔ باوجود اس کے بھی میں نے قابل غور سوالات کے دسویں حصّہ پر بھی بحث نہیں کی۔ گو میں نے بہت سے مسائل کا حوالہ دیدیا ہے اس کتاب کے بعض حصّے مختلف مذاق کے ناظرین کو خصوصیّت کے ساتھ اپنی طرف مائل کرینگے۔ اس لئے جس کو ساری کتاب کے ساتھ دلچسپی نہ ہوگی۔ وہ اپنے لئے بعض مضامین بآسانی منتخب کر سکتا ہے۔

میرا منشاء اس کتاب کے لکھنے سے یہ ہے کہ اگر ممکن ہو سکے تو ہندوستان کے بارے میں جو مختلف رائیں ہیں۔ ان سے ایک واضح نتیجہ پیدا کیا جائے۔

ایک رائے تو یہ ہے کہ مُلک اور باشندے روز افزوں مالی ترقی کر رہے ہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ انگلینڈ کو ہی اس مالی ترقی کے موجب ہونیکا فخر حاصل ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ مُلک اور باشندے لگاتار خطرناک افلاس اور غربت میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ آخرالذکر علانیہ کہہ رہے ہیں کہ ہماری حکومت کے اصول جو دیدہ دانستہ اختیار کئے گئے ہیں۔ اس لازمی افلاس کا موجب ہوئے ہیں۔

دو تو مانئیں صحیح نہیں ہو سکتیں۔ اور نہ ہی مجھے کوئی درمیانی راستہ دکھائی دیتا ہے جس پر فریقین کی رائوں کا ملاپ ہو سکے۔ اور دونوں رائیں ترتیب کے ساتھ کام کر سکیں۔ اسلئے ایک رائے صحیح ہے اور دوسری غلط۔

انہیں سے کونسی صحیح ہے؟ میں بلا تامل کہتا ہوں کہ وہ سکول صحیح ہے جو علانیہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ مُلک بُری حالت میں ہے اور باشندے اس سے بھی ابتر۔ میں اس بیان کی صحت ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور میں خیال کرتا

ہوں۔ کہ میں اس میں کامیاب ہونگا۔ میں اس بات کو اس شہادت سے ثابت
کرتا ہوں۔ جو ہندوستان اور انگلستان میں مجھے حکام نے بعض وقت مفت اور
اکثر اجرت پر بہم پہنچائی ہے یہ حکام ہی ہیں جو وہ کہانی سناتے ہیں جس کو مخفی
پیچیدگیوں کے پردہ میں سے میں باہر نکالنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اور اس
کہانی کو میں اپنے ہم وطنوں کی آگاہی کے لئے صاف لفظوں میں بیان کرتا ہوں
کیا میں اپنے مہربان ناظرین یا تیز نکتہ چین یا دونوں سے یہ درخواست کرسکتا ہوں
کہ جب وہ ان فیکٹرز کو جن پر اس کتاب میں بحث کیگئی ہے اپنے غور میں لاویں
تو وہ ایک بات ضرور پیش نظر رکھیں۔؟ وہ بات یہ ہے کہ ان فیکٹرز کا میں
ذمہ وار نہیں ہوں۔ میں نے صرف اتنا ہی کیا ہے۔ کہ اس مصالح کو میں نے اس
کتاب میں استعمال کیا ہے۔ جو گورنمنٹ آف انڈیا اور سیکرٹری آف سٹیٹ نے
مجھے بہم پہنچایا ہے۔ اگر وہ جو میں نے پیش کیا ہے۔ ایسا خطرناک معلوم ہو کہ
وہ صحیح یقین نہ کیا جاسکے۔ تو میں عرض کرتا ہوں کہ اس بات کو اپنے دل میں ہمیشہ
رکھ لیجئے (میں پھر کہتا ہوں کہ میں نے اور کچھ نہیں کیا سوائے اس کے کہ جو شہادت
مجھے حکام سے ملی ہے۔ اس کو میں نے بلا رو رعایت ناظرین کے سامنے رکھدیا
ہے۔ اگر میں نے صحیح نتیجے نکالے ہیں تو ان نتائج کے نکالنے پر مجھے بدنام کرنا فائدہ
بخش نہ ہوگا۔ جن فیکٹرز سے میں نے یہ نتائج اخذ کئے ہیں وہ کتاب میں موجود ہیں
خواہ ان کیطرف توجہ کیجاوے یا نہ کیجاوے ایک بدی کو بیان کرنے سے یہ لازم
نہیں آتا۔ کہ بیان کرنیوالا اس بدی کا پیدا کرنیوالا ہے۔ اگر کسی موجودہ تباہی کا
صحیح ذکر کیا جاوے اور آنیوالی بربادی کی صحیح علامات ظاہر کیجاویں تو ذکر کرنے
والا یا ظاہر کرنیوالا اس تباہی اور بربادی کا فاعل نہیں بن سکتا۔ آجکل کے مناظرہ
پر یہ ایک طعن ہے۔ کہ یہ کہنا پڑتا ہے: بدقسمتی سے یہ ضروری ہے کہ اس
کتاب میں ہر جگہ شہادت نہایت تفصیل کے ساتھ دیگئی ہے۔ اور پڑھنے والا
باسانی تمیز کرسکتا ہے کہ آیا جو نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔ وہ واجب ہیں یا نا واجب
اس قسم کی کتاب جو میں نے لکھی ہے لکھنا لکھنے والے کیلئے اپنی زندگی (علمی
اور پبلک) اپنے ہاتھ میں لے رکھنا ہے۔ بعض لوگ سوچتے اور کہتے ہیں کہ اس

شخص کے لیئے کوئی سلوک بُرا نہیں ہو سکتا۔ جو یہ ظاہر کرنے کی جرأت کرتا ہے۔ کہ ہندوستان میں کوئی بات بھی کامل نہیں ہے اور جو ہندوستان کے لئے سچنتہ فایدے اور مناسب اصلاحیں حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے ہندوستان کے بارے میں برٹش لوگوں کا مدت سے یہی وتیرہ چلا آتا ہے۔ لارڈ رپن نے بھی نقصان اٹھا کر معلوم کیا۔ کہ واقعی حالت ایسی ہی ہے۔ لارڈ رپن سے پہلے ایک بڑا گورنر جنرل بھی اس پیالہ سے پانی پی چکا ہے۔ سنہ ۱۸۰۰ء میں لارڈ ولزلی کی منصفانہ پالیسی متعلقہ ہندوستان کا ایک حصہ یہ کوشش تھی کہ ہندوستانی جہاز اور اسباب کو انگلینڈ کے بندرگاہوں میں مساوی درجہ پر داخل ہونے کی اجازت دی جاوے۔ مگر لارڈ موصوف کی اسبارہ میں منصفانہ کوششوں کی ولایت میں سخت مخالفت کیگئی۔ انکی گورنمنٹ کو زیر وزبر کیا گیا۔ اور سنہ ۱۸۰۶ء میں انگلینڈ میں جو کچھ ان کے ساتھ سلوک کیا گیا وہ ظاہر ہے "یہ تحریر مسٹر منٹگمری مارٹن کی ہے۔ جو قریباً ستر سال گذرے ہیں اس نے لکھی تھی اور اسبارہ میں آجکل کا اوسط درجہ کا برٹن جس کا ہندوستان سے کچھ بھی تعلق ہے۔ یا وہ خیال کرتا ہی کہ انکی کشتی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ اگر ہندوستان کے ساتھ انصاف کیا گیا بالکل اسی خیال کا ہے جس خیال کے اس کے باپ دادا تھے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ میں نے جسقدر آگاہی حاصل کی ہے وہ ہندوستان کی بلیو لال کتابوں سے لی ہے۔ جنکا میں نے نہایت محنت سے مطالعہ کیا۔ یہ کتابیں سال بسال گورنمنٹ پریس کلکتہ یا شملہ اور ہز میجسٹی کے چھاپہ خانہ لنڈن سے شایع ہوتی رہی ہیں۔ ہاں ایک مستثنٰی بھی ہے۔ ہندوستان کے تمام حصوں اور خصوصاً شمالی ہند اور بمبئی کے باشندوں کیحالت کے متعلق نہایت ضروری تفصیلیں ان جلدوں کے سلسلے سے اقتباس کی گئی ہیں۔ جو مختلف لوکل گورنمنٹوں کے دفاتر طبع میں چھاپی گئی ہیں۔ ان سب پر کانفیڈنشل" کا لفظ لکھا ہوا ہے اور ہوس آف کامنز میں ایک سے زیادہ مرتبہ ان کے شایع کرنے سے انکار کیا گیا ہے۔ اس بحث کے لیئے یہ موزون مقام نہیں کہ جو شہادت ایک سرکاری تحقیقات میں سرکاری افسروں کے ذریعہ پبلک کے وقت اور پبلک کے خرچ

سے لوگوں کی حالت کے متعلق جمع کی گئی ہے اُس کو شائع نہ کرنا چاہئیے ہے ہو نہ
صرف کم و بیش صحیح اجمال ہی ان لوگوں کی آگاہی کے لیے کافی ہے۔ جو ان
بیانات میں از حد دلچسپی رکھتے ہیں۔ میں زور سے کہتا ہوں کہ اس جماعت
کے ساتھ یہ بڑی بے انصافی ہے کہ اسی قسم کی تحقیقات کو کابک میں چھپایا
جائے جس کے منہ پر مکڑی جالا تن دیتی ہے کیونکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ
کوئی شخص ان کابکوں کے اندر جو کچھ ہے اس کو دیکھنے کا موقعہ نہ پائے۔
میرا مطلب ان کتابوں کے ذکر کرنے سے صرف یہ ہے کہ مجھے ان کے دیکھنے کا
موقعہ ملا۔ اور میں نے ان کا لُب لباب گواہوں کے اپنے الفاظ میں ناظرین
کے پیش کر دیا ہے ان جلدوں کے حاصل کرنے کے لئے متوفی مسٹر بریڈلا نے
درخواست کی جو پہلے نامنظور ہوئی۔ مگر پھر ۱۸۹۱ء میں انڈیا آفس کے پارلیمنٹری
نائب نے اُسے دیدیں۔ نارتھمٹن کے آنریبل ممبر (مسٹر بریڈلا) نے وہ جلدیں
میرے حوالے کر دیں۔ ممبر موصوف نے حکام کو اطلاع دیدی تھی کہ وہ جلدیں
صرف میرے استعمال کے لئے چاہتا ہے۔ اور اس صفائی معاملہ کے ساتھ یہ
کتابیں مجھے دی گئیں۔ ہندوستان کے حقوق کے اس نامی پہلوان (مسٹر بریڈلا)
نے کوئی شرط یا قید نہ لگائی۔ اور اس لیے میں بلا کسی پابندی کے ان کو استعمال
میں لا سکتا تھا۔ دیگر امور جن کا ذکر اس قسم کی کتاب کے دیباچہ میں ضروری ہونا
تھا وہ اس چٹھی میں پائے جاتے ہیں۔ جو میں نے لارڈ جارج ہملٹن کو لکھی اور
جو اس کتاب کیساتھ شامل ہے۔

میں صرف اتنا اور کہنا چاہتا ہوں۔ کہ اس نفرت انگیز۔ ناپسندیدہ اور
تکلیف دہ ڈیوٹی کے ادا کرنے میں جو اس قسم کے نتائج کی کتاب لکھنے میں ایسے
شخص کے لیے لازمی ہے جو انگلینڈ کے نیک کام اور انگلینڈ کی خوبی قسمت پر پُر جوش ایمان

حاشیہ ۱ میں انگلینڈ کی حمایت کرونگا۔ جب تک کہ میں مر نہ جاؤں۔

انگلینڈ ؟ ہاں۔

وہ انگلینڈ جو یہ دیکھکر خوش ہوا۔ کہ ملیں بری ہوا۔ اٹلی متحد اور آزاد

ہوئی وہ انگلینڈ جو پولینڈ کی ہلاکت پر آنسو بہاتا تھا اور اپنے دلمیں تمام دنیا

رکھتا ہوں میں نے ترازو کے پلّے برابر رکھنے کی سخت کوشش کی ہے میں نے جان بوجھ کر کسی دلیل پر قدیم رائے کو زور دینے کے لئے کھینچ تان نہیں کیا۔ اور نہ ہی میں نے ان امور کو بیان کرنے سے پرہیز کی ہے جو مباحثہ کے اصول کے طور پر ان نتایج کے خلاف دکھائی دیں جو میں نے بحث کر کے اخذ کئے ہیں۔ بات یہ ہے کہ وہ نتایج اس لیے اخذ کئے گئے ہیں۔ کہ ان کے سوائے اور کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہو سکتے ہیں۔ میرا اس میں کچھ اختیار نہ تھا۔ پڑھنے والا خود ہی اسبات کو جانچ لے گا۔ میں نے وہی کچھ کیا ہے جو مجھے مجبوراً کرنا پڑا ہے۔ جو میں چاہتا ہوں وہ یہی ہے۔ کہ شہادت پر نہایت ہوشیاری سے غور کی جائے۔ خصوصاً وہ حصہ جو پہلے باب میں درج ہے۔ جسمیں اصلی اصولوں پر بحث کیگئی ہے۔ اور نیز وہ بڑا حصہ جو چھٹے باب سے بارھویں باب تک مذکور ہوا ہے۔ خصوصاً آخر الذکر میں وہ فیکٹز پائے جائیں گے۔ جن کے رو سے سیکٹری آف سٹیٹ کا یہ عقیدہ کہ نیچر میں جو کچھ ہو رہا ہے بہتر ہو رہا ہے۔ جس کا اظہار اس نے اپنی آخری (بارھویں) اپیچ میں کیا۔ بالکل مخول اور باطل ہو جاتا ہے۔ یہ غلبی عقیدہ اور یہ نادانی جو نہایت ہی مصیبت زدہ ان گنت مردوں۔ عورتوں۔ اور بچّوں کے متعلق صرف غلطی نہیں بلکہ اس سے ابتر ہے۔ بالکل بے رحم بے انصافی ہے میری پہلی التجا ہی ان ناظرین سے جو مجھے عزت بخشیں میری آخری التجا ہے وہ یہ ہے کہ میرے بیانات کو اس شہادت سے جانچا جائے۔ جو میں نے فراہم کی ہے۔ چونکہ ان بیانات کی اس شہادت سے مناسب تصدیق ہوتی ہے اس لیئے اس بات کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے۔ کہ وہ شہادت گورنمنٹ کے ذریعہ حاصل کی گئی ہے معاشرتی معاملات میں میرا تمام بھروسہ سرکاری شہادت پر ہے۔ کیا میں درخواست کر سکتا ہوں۔ کہ وہ شہادت تسلیم کر لی جائے۔ اتنا کہکر میں خیال کرتا ہوں۔ کہ مجھے یہ کہنے کا بھی حق حاصل ہے۔ کہ اگر یہ مقدمہ جو میں نے پیش کیا ہے۔ ثابت ہو جاوے۔ تو کوئی مرد یا عورت جو اس سے واقف ہو جائے۔ آیندہ کے لئے اس بات سے ہرگز پرہیز نہ کرے کہ

بقیہ حاشیہ ۱۳ کے لیئے جگہ رکھتا تھا۔ تمام زندہ ہاتھ۔ اس کے انصاف اس کے رحم اور اسکی محبت کے خیال سے اوپر اٹھتے ہیں!! +

کوئی ایسا علاج تجویز کیا جائے۔ جس سے اُس سخت اور مضر بے انصافی کی تلافی ہو سکے۔ جو بیس کروڑ انگریزی رعایا کی پولیٹیکل ذلت اور مالی غربت کی ممد ہوئی ہے گذشتہ ناواقفیت کا زمانہ معاف کیا جا سکتا ہے۔ جب علم حاصل ہوتا ہے تو ذمہ واری بھی بڑھ جاتی ہے۔ میں نے صرف اپنے ناقص طریق سے ضروری علم کا کچھ حصہ بہم پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ اور لوگ پیدا ہونگے جو اُس مسئلہ کو زیادہ گہری اور تجسس کی نظر سے جانچیں گے۔ میں نے تو بطور ایک سفر پیشا کے صرف وہ سرزمین دکھائی دی ہے جس میں سے قواعد دان ماہرین کے گروہ گذر کر اس مصیبت زدہ مُلک کی بخوبی چھان بین کر سکتے ہیں۔ جو میرے زیر بحث ہے۔ میں

پہلا ہی شخص نہیں

جو اس پُر آشوب سمندر میں گرا ہے

مسٹر دادا بھائی نوروجی نے اُس کے کناروں کے گرد جہاز رانی کی ہے۔ اور مسٹر رومیش دت اور مسٹر ہنڈمین نے راستہ کی بہت سی مشکلات بتائی ہیں۔ جبکہ مسٹر اے۔ جی ولسن آف انوسٹرس ریویو نے کبھی تھکان ظاہر نہیں کیا۔ جہاں انڈیا کا تعلق ہو۔ نہ ہی سر ولیم ویڈربرن نے کبھی یہ معلوم کرنے میں ہچکچاہٹ کی ہے۔ کہ دراصل کیا نقص ہے۔ اور اس کا کیا علاج کرنا چاہیئے۔ مگر کولمبس کیطرح امریکہ دریافت کرکے پارسی محب الوطن اور باقی دوسرے صرف جستجو اور تحقیقات کا راستہ بتاتے ہیں۔ جس کو اختیار کرنا ان مدبران مثلاً لارڈ روزبری۔ مسٹر جان مورلی مسٹر ایسکوتھ سر رابرٹ ریڈ۔ مسٹر سی۔ پی سکاٹ۔ سر ایڈورڈ کلارک۔ مسٹر ڈبلیو ایس کین۔ مسٹر سی۔ ای شیون۔ اور اس قبیل کے دوسروں کا عین فرض ہے۔ کیا وہ اپنا فرض ادا کرینگے؟

بیشک مشرق میں برٹش سلطنت کا قیام اس جواب پر منحصر ہے۔ جو مذکورہ بالا اور ان کے ہم خیال مدبر اس سوال کا دینا پسند کرینگے۔

میں دلی خوشی سے ان مہربانوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے اس کام میں مجھے امداد دی۔ ان میں سے قابل ذکر ایک مس۔ ایمی۔ اے سمتھ ساکن ہیمپسٹیڈ ہے

جس نے اس کتاب کا قابل تعریف انڈکس تیار کیا ہے۔ اور جس کی فایدہ اٹھانیوالے دل سے قدر کرینگے۔ دوسرے مسٹر نڈیے۔ وی۔ سٹوری ہے جس نے ان بیانات کے نقشے تیار کیے ہیں۔ جنکے بغیر اچھی طرح سمجھ نہ آسکتی۔ چونکہ اسے ہندوستان کے قصبوں اور گاؤں کا تجربہ ہے۔ اس لیئے اس کتاب کے پروف پڑھنے میں مجھے اس سے بہت امداد ملی۔ نیز میرا بیٹا الیوپر ارڈ ٹلسفو ڈ گیبی ہے۔

آخر میں میں کہنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ کہ اس کتاب کا لکھنا میرے لیئے نہایت ہی نفرت انگیز اور نہایت ہی تکلیف دہ فرض ثابت ہوا ہے۔ جیسے میں نے ادا کیا ہے۔ میں نے بیسیوں دفعہ لارڈ ملبورن کا سوال اپنے آپ پر کیا ہے۔ "کیا اسے تم چھوڑ نہیں سکتے"؟ مگر ہمیشہ اندر سے یہی جواب ملتا رہا۔ "نہیں میں نہیں چھوڑ سکتا"۔ اور یہ اچھا ہوا کہ میں اسے چھوڑ نہیں سکا۔ کیونکہ اگر میں اسے چھوڑ دیتا۔ تو میں بڑا ہی حقیر مخلوق ثابت ہوتا۔ میرے لیئے ہندوستان کی باتیں ایسی ہیں۔ جیسی کہ میں نے بیان کی ہیں۔ اور میرے لیئے اور کوئی راہ نہ تھی۔ کہ اسی طرح انہیں بیان کرتا۔

ڈورسٹ ہوس۔ ڈورسٹ چوک
لنڈن۔ ان۔ ڈبلیو۔
نومبر ۱۹۰۱ء

ہندوستان اور دیگر ممالک کی سالانہ آمدنی کا مقابلہ پونڈوں میں

پروئم

یعنی

آغاز
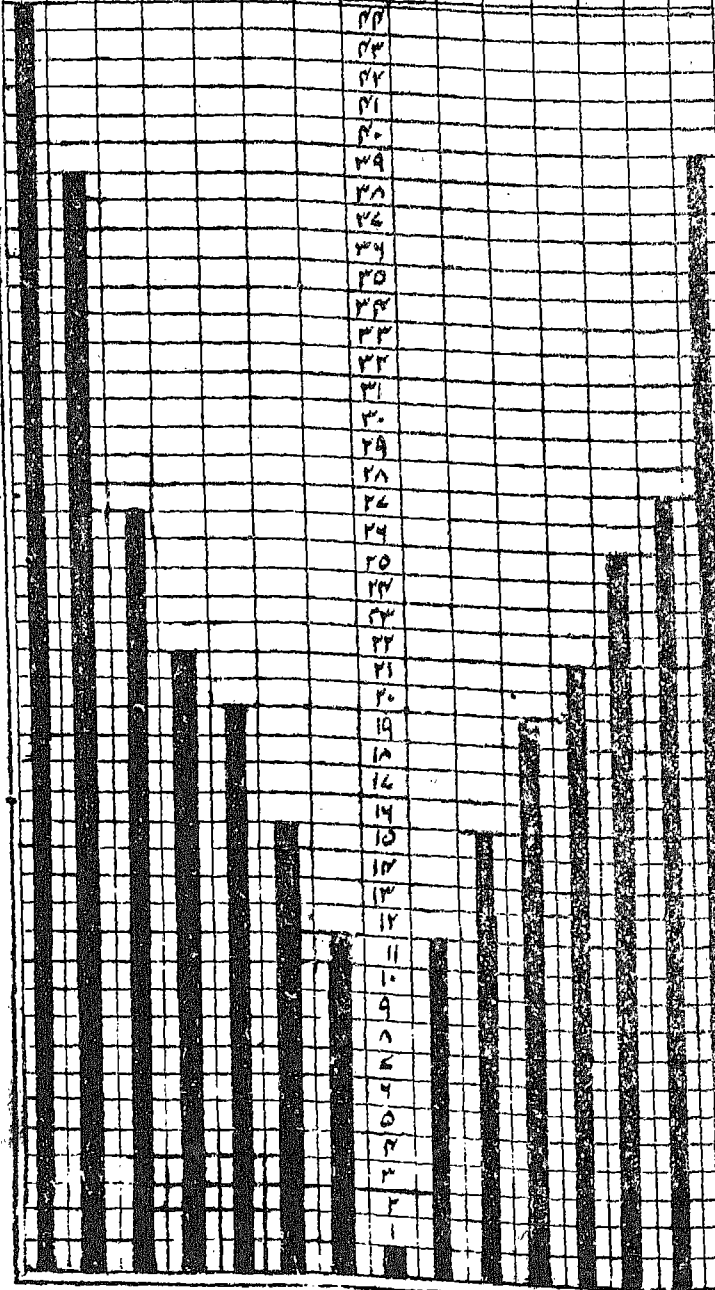
نیشنل آمدنی مقابلہ

"کسی ملک میں جس کا انتظام حکومت مہذب ہو۔ ٹیکس اتنی ہلکی نہیں جتنی کہ ہندوستان میں ہے" ۔ مسٹر جی۔ ایس۔ ل نے یہ اعتقاد ظاہر کیا ہے کہ "ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ نہ صرف صاف ترین نیت کی ہے۔ بلکہ عملاً بھی نہایت فیض رساں ہے۔ جسکی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی"۔

"میں ہرگز شک نہیں کرتا۔ کہ مذکورہ بالا اظہار اب بھی پایۂ صداقت پر پہنچا ہوا ہے"۔

مذکورہ بالا فقرے۔ سر جان سٹریچی جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ نے لکھے ہیں جو اپنی ہندوستانی ملازمت کے سلسلے کے اخیر میں فائینش منسٹر (مشیر مال) تھا وہ فقرے کتاب "انڈیا"[1] کے صفحہ ۳۹۵ میں درج ہیں جو اب ترمیم کر کے چھاپی گئی ہے

حاشیہ [1]۔ یہ کتاب کیگن پال۔ ٹرینچ۔ ٹربنر اینڈ کمپنی لمیٹڈ لنڈن ۱۸۹۴ء کی مطبوعہ ہے۔ اگر کوئی شخص ان فیکٹز کی روشنی میں جو اس کتاب میں درج ہیں۔ سر جان اسٹریچی کی کتاب کو پڑھتا ہے۔ تو وہ حیران ہو کر کہتا ہے۔ کہ کیا اس سے زیادہ مغالطہ دینے والی کوئی کتاب اُس وقت سے لیکر آجتک چھپی ہے جبکہ ولیم کاکسٹن نے پہلے پہل منقولہ ٹائپ انگلو سیکسن تحریر و تقریر کو منضبط کرنے کے لئے ایجاد کیا۔ اور اپنے پہلے صفحے ویسٹ منسٹر میں طبع کئے ؟ سر جان سٹریچی بڑی تیز عقل کا آدمی ہے اُس بات پر نہایت مشکل سے باور آتا ہے کہ اس نے دوسری طرف (ڈہال کی۔ جو اس نے ایسی ہنرمندی سے سجائی ہے) مطلق نہیں دیکھا اور جان بوجھکر اس عام پھیلی ہوئی اور بڑھتی ہوئی غربت کیطرف سے آنکھیں بند کر لیں۔ جس کا نشان اور

اگر یہ فقرے صورت اور سیرت میں سچے ہوتے تو مجھے اس کتاب کے لکھنے کی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸ ساتھ ہی باعث ہندوستان سے انگلینڈ کو نکاس ہے یہ بھی ایک
معمّا ہے اور اس معمّا سے نکلنے کی کوئی ایسی راہ نہیں۔ جو جنگ آزمودہ سولین
کی ذہانت کیلئے قابل تعریف ہوسکے۔ جو نتائج ہندوستان میں برٹش حکومت کے ہیں
انکی تعریف صرف انگریزی تہذیب کے اسی استحقاق کی دلیل پر ہی ممکن ہے۔ بدوں
اس کے کہ وہ اوصاف اسمیں شامل کئے جائیں۔ جو موجودہ کتاب نے بہم پہنچائے
ہیں۔ اس قسم کی کتابیں جیسے کہ سر جان سٹریچی نے لکھی ہے پڑھتے ہوئے اس بات
کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہیئے۔ کہ یہ ضرور ہی اُس مقولہ کی خاصیت سے حصہ لئے
ہوئے ہوتی ہیں۔ یعنی عذر گناہ بدتر از گناہ۔ مصنف اپنے ہاتھوں
کی تصنیف کے سامنے اور روبرو ہیں۔ اور جب تک
وہ یہ نہ لکھ دیں کہ وہ ہندوستانیوں کی خوشحالی کی ترقی اور آسایش بڑھانے
میں بالکل فیل ہو گئے ہیں تو انہیں اپنا قلم توڑ دینا چاہیئے۔ اور یا مدح سرائی
میں محو رہنا چاہیئے۔ اس پر بھی وہ لکھتا ہے میں یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ
ہماری گورنمنٹ محبوب سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اس سے نیک تر ہے لارڈ لارنس
کی چٹھی ۱۸۶۴ء کا جبکہ وہ وائسرائے تھا اقتباس کیا گیا ہے "عوام الناس بہت
ہی زیادہ خوشحال ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ انگریزی
حکومت میں ان سے بہت ہی زیادہ خوش ہیں جتنے کہ وہ جو دیسی حکومت کے ماتحت
ہیں"۔ مگر یہی ہدایت یافتہ ہندوستان بسر کردگی برٹش حکام چند سال بعد ہی اس غدر
زدہ مالیہ سے چلا اٹھا۔ خصوصاً شمالی ہند کا وہ حصہ جس کا جان لارنس نے بندوبست
کیا تھا۔ پنجاب میں جن حالات کی وجہ سے قانون انتقال اراضی پاس کرنیکی
ضرورت پیش آئی ہے وہ لارنس کے سخت مالیہ کا نتیجہ ہیں۔ جو نو حصول شدہ علاقوں
میں لگایا گیا۔ اگر کوئی بلا رو رعایت جج ان تمام واقعات کے پورے علم کے
ساتھ جو ہر ایک نظیر میں پیش آئے۔ ان تکالیف اور مصائب کا جو تیمور تاتاری
یا چنگیز خاں کی بدولت ہندوستانیوں کو برداشت کرنے پڑے۔ اُن ذہنی۔ اخلاقی
اور جسمانی ذلتوں سے جو گذشتہ پچاس سال کے اندر ہندوستان نے برداشت

کی ضرورت نہ پڑتی۔

کمشنر مردم شماری ہند نے ۱۸۸۱ء میں پیشتر اسکے کہ کتاب "انڈیا" لکھی گئی تھی پنجابیوں کے متعلق رائے درج کی جسمیں سر جان سٹریچی کے ریمارک کی گنجایش نہیں چھوڑی گئی۔ وہ یہ ہے کہ "پنجاب کی آبادی۔ انگلینڈ کی آبادی سے کم عمر زندہ رہتی ہے اور یہ بڑی عجیب بات ہوتی۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ ان گاؤں کا کسان لگاتار محنت کی زندگی بسر کرتا ہے۔ گو وہ محنت ایسی شاقہ نہ ہو جیسی کہ انگریز کاریندہ کی ہے وہ ایک گنجان آبادی کے گاؤں میں ایک گارے کی کھوندر میں رہتا ہے گاؤں کے گرد گوبر وغیرہ پڑا رہتا ہے۔ چھپڑ بدبودار ہوتے ہیں جنکا پانی کبھی کبھی اُسے پینا ہی پڑتا ہے اس کی خوراک نہایت غریبانہ ہوتی ہے اور وہ غذاءیت کی کسر مقدار سے پوری کرتا ہے اسکی زندگی ایسی ناخوش گذرتی ہے کہ خیال میں ہی نہیں آسکتی۔ وہ میدان کی چارپایوں کیطرح۔ پیدا ہوتا ہے۔ بیمار ہوتا ہے اور مرجاتا ہے۔ اور اسکی صرف اتنی ہی وحشیانہ خبر گیری ہوتی ہے۔ جتنی کہ ایک ہمسایہ کی جہالت مہیا کرسکتی ہے۔

"بیشک بالکل میدان کے چارپایہ کیطرح"

ان نتایج کی جو اس کتاب میں درج ہیں۔ جانچ پڑتال کرکے اس کتاب کا پڑھنیوالا اس بات کا فیصلہ کرسکتا ہے کہ خواہ حکمرانوں کی نیت کیسی ہی صاف تھی۔ اور اب بھی ہو۔ مگر ان کی حکومت نہایت کم فایدہ رساں ثابت ہوئی۔ خواہ ہم اتنا کہہ سکیں کہ اسکی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی۔

اب میں یہ ریمارک کرتا ہوں۔

سر جان سٹریچی نے کہا ہے کہ ہندوستان میں ٹیکس تمام دنیا سے ہلکی ہے مگر کس اصول

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۔ کیس مقابلہ کرے۔ تو جو بد نتایج عیسائی انگریزوں کے ذمہ جو قومی معراج میں بڑا رتبہ رکھتی ہیں۔ واجب طور پر عاید ہونگے وہ اسیقدر عظیم ہونگے۔ جسقدر کہ ان زمانہ قدیم کے سنگدل وحشیوں کے ذمہ تاریخ میں لگائے جاتے ہیں۔ اور جس کے لئے شاید انہیں خدا کے سامنے ہی جوابدہی کرنی پڑے۔ بلا شبہ ان نتایج سے ہماری دھوکا کھانے کی قوت جو انگریزی استعمال سے پیدا ہوتے ہیں۔ بڑی ہی عجیب ہے"

سے ٹیکس کا ہلکا یا بھاری ہونا شمار کیا جا سکتا ہے؟ سر جان نے تفصیل دینے کی مہربانی نہیں کی۔ قومی بوجھ کا ہلکا یا بھاری ہونا۔ اس کل میزان سے شمار نہیں کیا جانا چاہئے جو ہر ایک شخص کی ٹیکس سے بدوں اس کے وسایل یا آمدنی کا لحاظ کرنے کے حاصل کیا جائے۔ مگر سر جان سٹریچی تو ظاہرا طور پر ایسا ہی کیا ہے جس کا اعتراض ہرگز قابل پذیرائی نہیں۔ کیونکہ سر ولیم ہنٹر نے کتاب "انڈیا" کے طبع ہونے سے کئی سال پیشتر مندرجہ ذیل عبارت میں صاف طور پر فیگر سامنے رکھ دیئے ہیں۔

> ایسا کہنا ایک لفظی تردید سمجھی جائیگی۔ کہ انگریز جو شاہی خزانہ میں چالیس شلنگ فی کس کے حساب سے علاوہ مقامی بوجھوں کے ادا کرتے ہیں۔ اُن پر ٹیکس زیادہ ہلکی ہے بہ نسبت ہندوستانیوں کے" بحساب تین شلنگ ۲ پنس فی کس دیتے ہیں بدوں کسی مقامی بوجھ کے۔ مگر چالیس شلنگ فی کس کی رقم قومی آمدنی اور قومی ضروریات زندگی کے درمیانی حاشیہ کے بالمقابل اس سے بہت ہی کم مقدار میں دکھائی دیتی ہے۔ جسقدر کہ ۳ شلنگ ۲ پنس کی رقم ہندوستان کے اُسی حاشیہ کے بالمقابل نظر آتی ہے۔ ہندوستان کی آمدنی والی طاقتوں کا تخمینہ کرنے میں۔ ہمیں اس فریب وہ تاثیر سے بچنا چاہیے۔ جو کروڑہا ٹیکس دینے والے دماغ پر ڈالتے ہیں۔ ہمیں ہندوستان کی تعداد کا کم خیال کرنا چاہیے اور اسکی افلاس کا زیادہ۔

رہی ٹیکس کی سختی اس کے متعلق مسٹر سیموایل سمتھ۔ ایم۔ پی۔ نے ہوس آف کامنز میں اگست ۱۹۰۲ء میں ایک سپیچ میں کہا ہندوستان کے سات سو آدمیوں میں سے صرف ایک آدمی اس جماعت میں آتا ہے جو پچاس پونڈ سالانہ کماتی ہے۔ میں اور بھی اظہار کرتا ہوں۔ رائیٹ آنریبل جنٹلمین بخوبی آگاہ ہے کہ اس ملک میں اپنی آمدنی پر انکم ٹیکس سے بیس لاکھ پونڈ وصول ہوتے ہیں اور ہندوستان میں ۳ لاکھ سے بھی کم ہندوستان میں ۲۴ کروڑ آدمی انگریزی رعایا ہیں۔ یہ تمام آدمی اس کے دسویں حصے سے ہی کم انکم ٹیکس دیتے ہیں۔ جتنی سلطنت متحدہ کے ۳ کروڑ ۸۰ لاکھ آدمی دیتے ہیں اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ ہندوستان میں فی دس لاکھ آدمی اس کا ساٹھواں حصہ انکم ٹیکس دیتے ہیں جتنا اتنے آدمی اس ملک میں دیتے ہیں۔ اگر ہندوستان کے افلاس کا یہ قطعی ثبوت نہیں ہے تو پھر بے صبر دل کی اور کس طرح تسکین ہو سکتی ہے اسبات کا اندازہ کرنا

واقعی مشکل ہے کہ کیا کچھ تھوڑی دولت ہندوستان میں موجود ہے۔" اس تھوڑی سی دولت پر ٹیکس لگائے جانے پر ہی غصہ نہیں آتا۔ بلکہ گورنمنٹ جو عملاً فیض رسان ہونے میں اپنی نظیر نہیں رکھتی"۔ وصولی ٹیکس میں مندرجہ ذیل قسم کے واقعات کی بھی ذمہ وار اور جوابدہ ہے۔

مسمی دمودر کوہلی کو گذشتہ سال اطلاع دیگئی۔ کہ اس کو ۲۰ (۲۶ شلنگ) انکم ٹیکس ادا کرنا ہوگا۔ وہ یہ سُن کر ششدر رہ گیا۔ اتنا روپیہ بہم پہنچانا اسکی طاقت سے باہر تھا۔ اس نے عذرداری کی۔ مگر اسکی اپیل کا یہی نتیجہ ہوا۔ کہ انکم ٹیکس ادا کرنے میں توقف کرنے کی وجہ سے اس پر سات روپیہ (۹ شلنگ ۴ پنس) جرمانہ کیا گیا وہ اصل اور جرمانہ دونوں ہی ادا کرنے کے ناقابل تھا۔ اس پر اسکی خانہ تلاشی کی گئی۔ مگر کوئی کام کی چیز برآمد نہ ہوئی۔ پھر اسکی دکان تہ و بالا کیگئی۔ اور جو کچھ ملا اُسے قرق کرکے نیلام کیا گیا۔ جس سے دو روپے (۲ شلنگ ۸ پنس) وصول ہوئے۔ پھر اس کا مکان قرق کرکے نیلام کیا گیا۔ اس سے ۶۵ روپیہ (۴ پونڈ ۶ شلنگ ۸ پنس) وصول ہوئے۔ اس میں سے سرکار کا مواجب ۲۸ روپیہ (ایک پونڈ ۱۷ شلنگ ۴ پنس) انکم ٹیکس اور سات روپیہ (۹ شلنگ ۴ پنس) جرمانہ وصول کیئے گئے۔ اور فاضلہ اس سال کے مطالبہ میں قرق ہے خیال کرو کہ ایک آدمی جسکی دُکان کا سرمایہ دو روپے ہے۔ اور اسکی جھونپڑی جسمیں وہ رہتا تھا صرف ۶۵ روپیہ مالیت کی تھی۔ اس سے مبلغ ۲۰ یا یوں کہو کہ اس کے کل دنیاوی اثاثہ کا قریباً نصف انکم ٹیکس طلب کیا گیا! دمودر کوہلی دولت نگر تحصیل گجرات پنجاب کا رہنے والا ہے۔"

حاشیہ ۱؎ اخبار ٹریبیون لاہور مورخہ ۲۳- جولائی سنہ ۱۹۰۱ء ٹریبیون نے اس آرٹیکل کے آخری حصہ میں یہ لکھا ہے۔

کپتان ایلیٹ کے آنے سے پہلے سال میں بالمقطع انکم ٹیکس کا مطالبہ بیس ہزار روپیہ سے بھی کم تھا۔ جو منٹگمری جھنگ۔ جہلم اور گوڑگانؤں کے قریب قریب برابر تھا۔ گجرات کا ضلع جو غریب اور کم تجارتی ہے اس کے لحاظ سے بیس ہزار روپیہ انکم ٹیکس اس پر بڑی تھی۔ اور دو متواتر خشک سالوں کی وجہ سے جسمیں تجارت

ہندوستان میں ٹیکس ۳-شلنگ-۳-پنس دکھائی گئی ہے لیکن دراصل اس سے زیادہ ہے- کیونکہ اس میں تمام رقوم ٹیکس کی شامل نہیں ہیں- مگر ہم اسی رقم سے اس کا اندازہ کرتے ہیں

سالانہ آمدنی ایک پونڈ ۲-شلنگ ۴پنس | اوسط ٹیکس-۳شلنگ ۳پنس

نسبت: ۱/۷

اگر تمام باشندوں میں تقسیم کی جائے-

مگر تئیس کروڑ دس لاکھ پچاسی ہزار ایک سو بتیس ۲۳۱۰۸۵۱۳۲ میں ستائیس کروڑ باشندوں کی آمدنی ٹیکس نکالنے بغیر صرف ۱۲-شلنگ فی کس سالانہ ہے- یا یوں کہو کہ نصف پنی فی کس روزانہ سے کم ہے-

اس بارہ شلنگ میں سے ۲شلنگ ۱پنس ٹیکس لیجاتی ہے- یا یوں کہو- کہ کل آمدنی کی بیس فیصدی-

اب ایک پونڈ ۲-شلنگ ۴پنس میں سے جو دس شلنگ ۴پنس باقی بچتے ہیں- وہ دراصل کم وبیش شاہزادوں- افسروں- زمینداروں- پیشہ وروں سوداگروں اور دیگر لوگوں کے حصہ میں جاتے ہیں یا یوں کہو- کہ صرف دس لاکھ پچاس ہزار ایک سو بتیس آدمیوں میں یہ آمدنی دائر سائر رہتی ہے یہ دس لاکھ آدمی غالباً ۹پنس فاضلہ ادا کرتے ہیں- جو خاصکر ان چند متمول لوگوں کے حق میں بڑا بھاری تخمینہ ہے- سکاٹلنڈ کی اوسط آمدنی ۴۵ پونڈ ہے- اگر سلطنت متحدہ میں

بقیہ حاشیہ- صفحہ ۲۲- پیشہ لوگوں کو بھی زراعت پیشہ لوگوں سے کم نقصان نہیں پہنچا امید کیجاتی تھی- کہ انکم ٹیکس میں ضرور کمی ہوگی- مگر گورنمنٹ الیٹ کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے- کہ اس سال انکم ٹیکس کا ابتدائی مطالبہ پچاس ہزار روپیہ تک پہنچ گیا ہے- اور ابھی تشخیص کا کام جاری ہے- کیا کبھی اتنی چھلانگ بیس ہزار سے پچاس ہزار تک کہیں سننے میں آئی ہے-؟ ہمارے پاس گذشتہ پانچ سال کا نقشہ ہے جسمیں صوبہ کے تمام اضلاع کا ابتدائی اور آخری مطالبہ درج ہے اسمیں سال بسال صرف معمولی فرق دو یا تین ہزار روپیہ سے زیادہ نہیں ہے- مگر گجرات میں ساہوکار اسقدر مالا مال سمجھے گئے ہیں کہ تشخیص میں ایک دم تیس ہزار روپیہ کی ابزادی کر دیگئی ہے-

[1] مشرح یادداشت حساب انڈیا سنہ ۱۹۰۱ء صفحہ ۲۹

ٹیکس علاوہ پوسٹ آفس اور دیگر آمدنیوں کے جو ٹیکس نہیں ہیں۔ اور جو ہندوستان
کے تخمینہ میں بھی الگ رکھی گئی ہیں۔ دس کروڑ ستر لاکھ پونڈ بیجا وے۔ تو وہ اوسط
سرکاری آمدنی سمجھی جائیگی۔ حالانکہ آجکل بری اور بحری فوج کے اور دیگر اخراجات
بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ اس آگاہی بخش مناسبت کا یہ نتیجہ نکلتا ہے۔

ٹیکس کی نسبت آمدنی سے

سکاٹلنڈ ۴۵ پونڈ فی کس کے حساب اوسط سے ½۲	ہندوستان (دس لاکھ متمول لوگوں کو باہر) ۱۲ شلنگ فی کس حساب اوسط سے قریباً ½

اس لیئے آمدنی کی نسبت سے برٹش تاج کی ہندوستانی رعایا پر سکاٹش رعایا سے
چوبیس گنے زیادہ اور انگریزی رعایا سے تین گنے زیادہ ٹیکس
لگایا جاتا ہے۔

مزید براں۔ ۱۲ شلنگ میں سے ۲ شلنگ ۴ پنس لینا آور معنی رکھتا ہے اور
۴۵ پونڈ میں سے ۲ پونڈ ۱۳ شلنگ ۸ پنس لینا آور۔ خصوصاً جبکہ آخرالذکر آمدنی
اس سرزمین میں خرچ کیجاتی ہے۔ جہاں خوردنی اشیا دن بدن ارزاں ہوتی
جاتی ہیں۔ اور اول الذکر ایسی سرزمین میں جہاں خوراک دن بدن گراں
ہوتی جاتی ہے۔ اور زندگی کی مشکلات ہر طرف بڑھتی جاتی ہیں۔

مگر سر جان سٹریچی جس کے پاس یہ فیگر موجود تھے جو دنیا بھر میں سب سے
بڑی سلطنت کا شیر مال تھا۔ جسکو یہ باتیں ایسی معلوم ہونی چاہیئے تھیں جیسی
کہ اسے بندوبست کے قواعد معلوم تھے۔ جبکہ وہ ڈسٹرکٹ افسر تھا۔ برٹش پبلک کے
سامنے اس قسم کی تفصیلات سے بالکل ناواقف رہکر یہ بیان کرتا ہے کہ
"کسی ملک میں جہاں مہذب حکومت ہے ٹیکس اتنی ہلکی نہیں جسقدر کہ ہندوستان
میں"

افسوس! کوئی عدالت نہیں جسمیں ایسے شخص کو پیش کیا جاوے جس نے
فیگرز کو غلط بیان کرکے اپنی بہائی رعایا کو ضرر پہنچایا ہو۔ کوئی عدالت نہیں جسمیں
اس شخص کو سزا دی جائے۔ جو غلط بیانی کا مجرم پایا جاوے۔ اور جس کے غلط
بیان کیوجہ سے انسان پر مصیبت اور موت وارد ہوئی ہو۔ صرف پبلک رائے

رائے کی عدالت میں اسکی اپیل کیجا سکتی ہے۔ مگر اس کے جج ایسے ہیں کہ اس
بات کا جسکی طرف انہیں توجہ دلائی جائے۔ کافی نوٹس نہیں لیتے۔ اور اس کا
مطلق خیال نہیں کرتے۔

سر جان سٹریچی ۱۸۴۲ء سے ہندوستان کا نمک خوار ہے۔ وہ ہندوستان
کے ہر ایک عہدے پر سوائے اعلیٰ ترین عہدہ کے ممتاز ہوتا رہا ہے۔ اور ایک وقت
تھا۔ جبکہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ شاید وہ وائسرائے اور گورنر جنرل بھی مقرر کیا جاوے
جیسا کہ جان لارنس اس سے پہلے ہوا تھا۔ مگر جنگ افغانستان میں اس کی
غلط ریاضی نے اس بات کو ناممکن کر دیا۔

۱۸۴۲ء سے لیکر ۱۹۰۱ء تک جبکہ یہ فیصلہ لکھا جا رہا ہے۔ اس کو شہزادوں کے
برابر تنخواہ ملتی رہی ہے۔ اس وقت بھی جس قدر پنشن اُسے ملتی ہے وہ ملک میں
کے بارہ سو زراعت پیشہ لوگوں کی سالانہ آمدنی کے برابر ہے۔ اس کنارہ کشی
کی حالت میں بھی وہ اس مُلک سے آمدنی وصول کر رہا ہے جس کے معاوضہ میں
اس سے اور کچھ نہیں ہو سکا۔ کہ اسکی حالت کا غلط بیان پھیلائے۔ اور ایسا
کرنے سے وہ اس افلاس کو جسکو وہ شناخت کرنے کے ناقابل ہے اور بھی
زیادہ کر رہا ہے۔ کیونکہ سر جان کی کتاب مستند سمجھی جاتی ہے جہاں تک
اس کتاب میں میلوں کی تعداد درج ہے جنہیں ریلوے بنائی گئی۔ یا اور
پبلک کام کئے گئے۔ یا محصول نمک کی لیفی لائن کی منسوخی کا ذکر ہے جو ہزاروں
میل تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ کتاب ایسی ہی ہے جیسی کہ ہونی چاہئے تھی۔ مگر
جہاں اسمیں اینگلو انڈین فوائد کو الگ رکھکر مُلک اور باشندوں کی حالت کا
ذکر ہے۔ وہاں وہی پرانا یقین ظاہر کیا گیا ہے جس سے مُلک اور باشندوں
کو اس سے زیادہ سخت نقصان پہنچا ہے۔ جتنا کہ کسی قدیم فاتح کی لوٹ یا کسی
ریاستی پرنس کی دستبرد سے پہونچا ہو۔

مجھے سر جان سٹریچی کی کسی اور حیثیت سے کچھ سروکار نہیں۔ سوائے اس کے
جو اُس نے برٹش حکومت کی طرز اور نتایج کے قدر خواہ کے طور پر اختیار کی ہے
وہ ایک قابل افسر اور قیمتی آدمی ہے۔ میں نے اس کا نام صرف اسکی کتاب کی

وجہ سے اور اسکی اس عزت کی وجہ سے لیا ہے۔ جو ہندوستان کے مشیر اور رہنما ہونے سے اسے حاصل ہوئی ہے۔ میں نے اس کے نام اور اس کی کتاب کا اس لیے ذکر کیا ہے کہ اگر انڈیا کی گورنمنٹ کبھی فیض رساں کیجا سکتی ہے تو یہ کام اسی صورت میں ہوسکتا ہے۔ کہ انڈیا کے متعلق اس خوش اعتقادی کو جس سے اسکی کتاب پُر ہے۔ بالکل اُڑا دیا جائے بلکہ ڈھونڈ کیطرح اس کو اڑا دیا جائے۔ پھر ہندوستان کی اصلی حالت کا جیسی کہ موجود ہے صحیح خیال ذہن میں آجائیگا۔ میں اس کام کو جو میرے سامنے ہے شروع نہیں کرسکتا۔ جبتک کہ میں اُسے دہرا نہ لوں۔ جو کچھ میں نے اس سے پہلے صفحوں میں درج کیا ہے۔ ہندوستان پر ٹیکس ہلکی نہیں۔ بلکہ آمدنی کی نسبت سے یہ ٹیکس اسقدر بھاری ہے۔ کہ اگر ٹیکس کا اتنا بوجھ ہمارے ملک پر ڈالا جاتا۔ تو ٹیکس لگانیوالے منتظموں کا صفایا کردیا جاتا اور اُن پر مطلق رحم نہ کیا جاتا۔ مزید براں اس بوجھ کو بحال رکھنے کی اگر کوشش کیجاتی تو گورنمنٹ کی طرز بالکل پلٹا کھا جاتی۔ یعنی اگر ٹیکس اتنا وزنی لگایا جاتا۔ جتنا کہ ہندوستان میں ہے۔ مگر اس قسم کا اتفاق انگلینڈ میں ہونا ممکن نہیں کیونکہ اس کی مراد یہ ہے کہ تمام امیر و غریب کی کل آمدنی کے ساتویں حصہ سے لیکر چہارم تک اُن سے لیا جاتا اور اسی نسبت سے ہر سال بڑھتا جاتا۔ لیکن انڈیا میں ایسا ہوسکتا ہے انگلینڈ اس کو برداشت نہیں کرسکتا۔ نہیں۔ ایک گھنٹہ کیلیے بھی نہیں۔ اس قسم کی پالیسی سمندر پار کی انگریزی آبادی کیساتھ

ؔ بجٹ ۱۹۰۱-۲ء میں ۱۹۴۹۹۷۳ پونڈ کی کمی بالمقابل ۱۸۹۸-۹۹ء کے دکھائی گئی ہے اصل آمدنی میں ۴۴۳۰۸۳ پونڈ کا اضافہ ہوا ہے جو خاصکر افیون میں ترقی کا نتیجہ ہے۔ مگر ساتھ ہی اصل خرچ ۲۳۹۳۰۵۶ پونڈ بڑھ گیا ہے یعنی ہندوستان میں اخراجات ۳۸۶۳۴۷ پونڈ اور انگلینڈ میں ۱۶۵۴۱۹۲ پونڈ زیادہ ہوگئے ہیں۔ (مشرح یادداشت حساب انڈیا ۱۹۰۱ء) پس یہی بات ہے جو ہندوستان کی روز افزوں ابتری کا موجب ہے یعنی انگلینڈ میں اخراجات بڑھ گئے ہیں۔ کیا یہ موری بند نہیں کیجائیگی؟ اور کیا یہ ایسی فراخ ہوتی جائیگی۔ کہ جہاز چلنے کے ناقابل ہوکر تاریخ کے سمندر میں پاش پاش ہو جائے۔

بڑھ جاتی۔ نو آبادی والے مقصود کو کب کا کاٹ ڈالے ہوتے کیا انگلینڈ نے ہندوستان کے ساتھ کوئی نیکی نہیں کی ہے ہاں۔ بعض ہندوستانیوں نے انگریزی حکومت سے براہ راست نقد نقد فائدہ اٹھایا ہے۔ بیشک ایک مقررہ پالیسی کی پیروی سے خواہ وہ پالیسی کیسی ہی ہو۔ بہت سے نیک نتایج نکل سکتے ہیں انہی نتایج کی موجودگی سے وہ بُرے نتایج کم ہوئے ہیں۔ جو ابتک ناقابل برداشت ہوجاتے۔ مثلاً اگر پیداوار کی مقدار یقینی طور پر نہر اور اچھی آبپاشی برابر زیادہ ہوتی رہتی تو معاشرتی نازک وقت جو بارانی کاشت کے متعلق عام غیر وصولی معاملہ پر مشتمل ہے اور چنداں دور نہیں ابتک آگیا ہوتا۔ اور ہمارے لب ہندوستان اور انگلینڈ میں بے لطفی کے باعث ابتک تلخ ہوتے۔ اور ہمارے دل اس بے عزتی اور بدنامی سے زخمی ہوتے۔ جو برٹش نام کو تمام دنیا میں نصیب ہوتی۔

میں یہاں مدراس کے نہری اضلاع کا ذکر کرتا ہوں۔ کیونکہ ان سے مجھے سچی واقفیت ہے۔ بلاشبہ وہی بات پنجاب کے کاموں اور صوبجات متحد کے رقبہ اور سندھ کے صحراؤں کی نسبت جواب نگار بنگئے ہیں۔ کہی جاسکتی ہے مگر مجھے انکی نسبت کم آگاہی ہے۔ اگر مدراس میں یہ آبپاشی کے کام نہ ہوتے جو کچھ تو پرانے کاموں میں جو عیسوی سنہ سے بھی پہلے کے ہیں اصلاح کیگئی ہے جیسے کہ تنجور میں۔ اور کچھ انگریزی ہمت سے بالکل نئے جاری کئے گئے۔ جیسے کہ گوداوری اور کرشنا میں۔ تو سالہا سال پہلے ہماری کمر ٹوٹ گئی ہوتی۔

ایک نئی کتاب[1] میں سب سے بڑے نہری انجنیئر سر آرتھر کاٹن متوفی کے کام پر جو سرمایہ خرچ ہوا اور اس سے ہندوستان کو جو فایدہ پہنچا۔ تفصیل کے ساتھ

[1] جنرل سر آرتھر کاٹن آر۔ای۔کے۔سی۔ایس۔آئی کی لائف جو اسکی بیٹی لیڈی ہوپ نے لکھی۔ میں نے لیڈی ہوپ اور مسرس ہاڈر اور سٹاٹن پبلشر کی اجازت سے اس کتاب میں سے کہیں کہیں حوالے لئے ہیں جس کے لئے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

بیان کیا گیا ہے۔ منافع حسب ذیل ہوا ہے۔

آمدنی

(الف) گورنمنٹ کو (خرچ شدہ سرمایہ پر سود شمار کر کے)

گوداوری ڈلٹا سسٹم ۔۔۔۔۔۔۔ ۳۷۰۹۸۷۶۳ روپیہ
کشنا ڈلٹا سسٹم ۔۔۔۔۔۔۔ ۲۰۲۱۱۵۱۵ روپیہ
کاویری ڈلٹا سسٹم ۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳۵۳۸۳۲۰ روپیہ
اوپر کولرون ۔۔۔۔۔۔۔ ۹۴۱۰۹۵۱ روپیہ
کل میزان ڈائرکٹ ۔۔۔۔۔۔۔ ۹۰۲۵۹۵۴۹ روپیہ

باقی میں سے نصف شمار میں آسکتا ہے کیونکہ یہ یقینی امر ہے کہ
اگر شروع میں اتنی کامیابی نہ ہوتی تو آبپاشی اسقدر اختیار نہ کی جاتی ۵۸۷۴۷۵۸ روپیہ

کل میزان مدراس میں

دائرکٹ اور انڈائرکٹ ۹۶۱۳۴۳۰۷ روپیہ

اس میں سے بہت سا روپیہ بحساب پرانے رواج (۱۰ روپیہ = ۱ پونڈ)
کے لیا گیا۔ اور اس کا نصف یہ ہوتا ہے = ۹۵۰۸۴۳۰ پونڈ
لیکن موجودہ شرح ۱۵ روپیہ = ۱ پونڈ بھی لیا جائے تو ۶۴۰۸۹۵۴ پونڈ

(ب) ان اضلاع اور باشندوں کو۔ جن پر اس کا اثر پڑا ہے۔

نہری زمینوں کی پیداوار کے متعلق رائے کا کچھ اختلاف ہے بعض تو دس روپیہ فی ایکڑ شمالی ہند میں قرار دیتے ہیں۔ مگر سر آرتھر کاٹن کا تخمینہ[1] ۱۵ روپیہ فی ایکڑ ہے چونکہ سر آرتھر کی رائے زیادہ وزنی ہے۔ اس لئے اس کے تخمینہ کو میں لینا مناسب سمجھتا ہوں۔ مدراس میں ۵۸۷۵۳۷۴ ایکڑ اراضی زیر آبپاشی ہے۔ سر آرتھر کاٹن جس نے بڑے بڑے (مثلاً کشنا میں) کام تجویز کئے۔ اس ایزادی پیداوار کی تعریف کا مستحق ہے اس طرح سالانہ اضافہ پیداوار سے لوگوں کو ۸۸۱۳۰۶۱۰ روپیہ

[1] مدراس ایڈمنسٹریشن رپورٹ ۹۹-۱۸۹۸ء حصہ آبپاشی ص ۷ میں سرکاری تخمینہ دیا جاتا تھا مگر اس میں اسقدر اختلافات ہیں کہ اسکی صحیح اوسط نکالنی مشکل ہے۔ عموماً کاشت کا معاملہ بارانی کاشت

زاید آمدنی ہوئی۔ جو پندرہ روپیہ فی پونڈ کے حساب سے ۵۸۷۵۳۷۴ پونڈ ہوتے ہیں۔

ساٹھ سال گذری ہیں کہ سر آرتھر کاٹن کا سب سے بڑا کام یعنی گوداوری کا ڈلٹا ختم ہوا۔ اور پچاس سال گذرے ہیں۔ کہ گوداوری سے سالانہ بڑی آمدنی ہونی شروع ہوئی۔ یہاں تیس سال کی آمدنی کا ذکر کر دینا مناسب نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سر آرتھر کاٹن مدراس کے بعض اضلاع کے باشندوں کی آمدنی میں ۵۸۷۵۳۷۴ پونڈ × ۳۰ = ۱۷۶۲۶۱۲۲۰ پونڈ اضافہ کرنے کا موجب ہوا

اب اس کا اجمال حسب ذیل ہے۔

(الف) خالص آمدنی جو گورنمنٹ کو ہوئی کیونکہ سود ۸۰۰۶۴۴ پونڈ سالانہ شمار کر لیا گیا ہے۔ نیز ۳۰ میں اس کو ضرب دے کر = ۲۴۰۱۹۳۲۰ پونڈ

(ب) آمدنی جو لوگوں کو ہوئی = ۱۷۶۲۶۱۲۲۰ پونڈ

کل میزان ۲۰۰۲۸۰۵۴۰ پونڈ

کوئی پبلک کام جو ہندوستان میں کیا گیا ہے اور غالباً دنیا بھر میں کہیں کیا گیا ہو اسقدر مفید نتیجہ بخش ثابت نہیں ہوا۔ جس سے گورنمنٹ کو علاوہ مالیہ کے آبیانہ کی اسقدر خالص آمدنی ہوئی ہو جسقدر آبپاشی کا کام ہندوستان میں ثابت ہوا ہے۔ آجکل کے نتیجے حسب ذیل ہیں۔

آبپاشی

مالی نتیجہ	حساب ۱۸۹۹-۱۹۰۰	ترمیم شدہ اسٹیمیٹ ۱۹۰۰-۱۹۰۱
بڑے کام	پونڈ	پونڈ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸ سے چار گنا زیادہ ہے۔ آنریبل۔ آر۔ اے۔ ڈالیل آف مدراس بورڈ آف ریونیو نے ۱۸۵۶ء اور ۱۸۶۶ء کے اعداد و شمار دیئے ہیں۔ جو اس سے زیادہ اندازہ کی تائید کرتے ہیں جو درج کیا گیا ہے لیکن میں نے اندازہ ہمیشہ اصلیت سے کچھ کم ہی لگایا ہے

صفحہ ۳۹۔ انتظامی تجربہ مندرجہ ابتدائی قحط ۱۸۷۴ء

آبپاشی

مالی نتیجہ	حساب ۱۸۹۹-۱۹۰۰	تخمینہ شدہ اسٹیمیٹ ۱۹۰۰-۱۹۰۱
بڑے کام	پونڈ	پونڈ
ڈائرکٹ آمدنی	۱۵۷۸۵۲۹	۱۷۱۷۲۰۰
نہری زمین کا مالیہ	۶۷۰۱۷۴	۷۳۰۶۰۰
کل میزان	۲۲۴۸۷۰۳	۲۴۴۷۸۰۰
اخراجات	۶۶۴۷۵۳	۶۹۵۲۰۰
خالص آمدنی	۱۵۸۳۹۵۰	۱۷۵۲۶۰۰
سود قرضہ	۸۹۶۷۴۹	۹۲۱۸۰۰
اصل منافع	۶۸۷۲۰۱	۸۳۰۸۰۰
چھوٹے کام اور اخراجات	۵۵۰۸۱۴	۵۲۲۹۰۰
کل میزان اصل منافع	۱۳۶۳۸۷	۳۰۷۹۰۰

باوجود اس کے ایسے مفید کام پر روپیہ نہایت ہی کنجوسی سے دکھایا جاتا ہے اور اسکی سالانہ رفتار ترقی بالکل گھونگے یا کچھوے کی چال کے برابر ہے۔

جو کتاب آجتک ہندوستان کے بارہ میں لکھی گئی ہے وہ ان فوائد سے معمور ہے۔ جو مہربان انگریز فاتحان نے چین سے فارس تک اور سرحد کاشغر سے راس کماری تک تمام اقوام کو ایک جا کر کے ملک اور باشندوں کو پہنچائے ہیں۔ خود انڈیا آفس اپنے ہاتھوں کے کام اور اپنے ملازموں کے کارناموں کی تعریف کا سال بہ سال ڈھول بجاتا ہے۔ مگر ان ڈھولچیوں میں سے بہت کم اس بات کو سمجھتے ہیں۔ کہ جو کچھہ ہم نے کیا ہے اسکی اُجرت خاطر خواہ ہندوستانیوں نے ادا کر دی ہے ہندوستان کے ایک اخبار نے ایک دفعہ یہ لکھا "خواہ ہم نے یہاں کے باشندوں کے لئے اتنا کچھہ نہیں کیا جتنا کہ ہم کر سکتے تھے۔ مگر ہم نے انہیں تعلیم دیدی ہے"! ہم کے لفظ پر زور دینے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہم سے تمہاری مراد کون لوگ ہیں؟" جو کچھہ ہم نے کیا ہے۔ لوگوں کا روپیہ خرچ کر کے انکو تعلیم دی ہے اور پھر بھی ہم نے اس معاملہ پر ان کی نگاہ سے نظر نہیں ڈالی۔ اس قسم کی رائے پر اصرار کرنا بد خلقی

پر دلالت کرتا ہے۔ "ہم ہی نے یہ سب کچھ کیا"۔ پھر اختصار طور پر بھی اس جگہ اس کا ذکر کرنا صفحہ ضائع کرنا ہے۔ جو ہزاروں طریقوں نے پکار کر کہا ہے اور سینکڑوں طریقے اب بھی پکار رہے ہیں۔ بایں ہمہ میں نے کوئی رسالہ ہندوستان پر نہیں لکھا۔ جسمیں میں نے بعض اچھی باتوں کی شہادت نہیں دی۔ جو انگریزی حکومت کا نتیجہ ہیں۔ جو ایسے جلی حروف سے لکھی گئی ہیں۔ کہ سب دیکھ سکتے ہیں۔ میں ہرگز ان کا انکار نہیں کرتا۔ نہ ہی میری خواہش انکار کرنے کی ہے۔ اور میں کیوں کروں؟ میں خود بھی برٹن ہوں۔ جہانتک ان کا تعلق ہے مجھے ان پر فخر حاصل ہے۔ اس نسبت میں انگریز منتظموں نے ان الفاظ میں جو سب کے کانوں سے آشنا ہیں۔ "اتنا کچھ کیا ہے۔ جو انہیں کرنا چاہیے تھا"۔ مگر اس کے ساتھ ہی "انہوں نے بہت کچھ نہیں کیا۔ جو انہیں کرنا چاہیے تھا"۔ اور صرف اسی وجہ سے انصاف کی نگاہ میں "ہم راستی پر نہیں ہیں"۔

بعض اطراف میں انگریزی حکومت سے ایسی صحیح تبدیلیاں واقعہ ہوئیں۔ کہ مسٹر بلفور کا عام آدمی جو جنوبی افریقہ کی لڑائی کے متعلق اتنا ہی آگاہ تھا۔ جتنی کہ لڑائی کی ذمہ وار گورنمنٹ تھی۔ انڈیا کے متعلق بھی بآسانی بتا سکتا ہے کہ ہم نے یہاں کیا کچھ کیا ہے۔ ہر ایک انگریز فی الفور تمہیں بتا دیگا۔ کہ جب ہم ہندوستان میں گئے تو اس سے پہلے وہ لوگ اپنی بیوگان کو زندہ جلا دیا کرتے تھے۔ اور ہم نے جلد اسکی ممانعت کر دی"۔ اتنا کہکر وہ سمجھتا ہے کہ میں نے کافی کہہ دیا ہے۔ اور اس اعتراض پر ناک چڑھاتا ہے کہ شاید ستی کا موقوف کرنا اچھا تھا۔ مگر ستی کی رسم ملک کے ایک حصہ میں رائج تھی۔ اور ایسا ہو سکتا ہے کہ ہماری حکومت کی وجہ سے بعض قباحتیں ایسی ملک میں پیدا ہو گئی ہیں۔ جو ہفتہ بھر میں اُس سے زیادہ آدمی قتل کرتی ہیں۔ جتنی جانیں ستی کی رسم سے پچاس سال میں ضائع ہونی ممکن تھیں۔ خواہ کچھ ہی ہو۔ میں انگریزی حکومت کے مفید نتائج سامنے لانے میں تامل نہیں کرتا۔ جسقدر وہ سامنے رکھے جائینگے اتنا ہی اس کتاب کی بحث کے لئے اچھا ہے۔ کیونکہ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کو فائدہ پہنچانے کا اختیار بھی موجود ہے۔ اور خواہش بھی ہے۔ اور جب یہ چیزیں موجود ہیں اور عمل کیلئے مناسب

وقت کا انتظار ہے۔ تو انڈیا کی تندرستی کی امید کیجا سکتی ہے۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوں
تو سوائے ناامیدی اور حسرت کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔
گذشتہ زمانہ میں ہندوستانیوں کی سوشل زندگی پر جو انگریزی حکومت
کا مفید اثر پڑا ہے۔ اسکی یادداشت کے لئے میں انڈین گورنمنٹ کے ایک بڑی
حمایتی (اخبار انگلشمین کلکتہ) کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اور اس سے مندرجہ ذیل
اقتباس کرتا ہوں۔

ہندوستان کی پرانی رسوم
(خاص اخبار انگلشمین کے لئے)

صدی کے شروع میں یہ بیجا نہ ہوگا۔ کہ ان مفید برکتوں کا ذکر کیا جائے جن
کا انگریزی حکومت سے ہندوستان کے باشندوں کی سوشل زندگی پر اثر پڑا ہے
یہ برکات ایک فہرست سے بخوبی واضح ہوتی ہیں۔ جو ایک انڈین پادری نے لوگوں
کی رسم و رواج کے متعلق مرتب کی۔ یہ رسوم گورنمنٹ نے قانوناً ناجائز قرار
دی ہیں۔

(۱) والدین کا خون۔

الف ستی سے۔

(ب) دریا کے کناروں پر پڑے رہنے سے۔

(ج) زندہ گاڑ دینے سے۔ ریاست جودھپور میں ۱۸۶۰ء میں

(۲) اولاد کا خون۔

(الف) گنگا کی نذر کرکے نہنگوں کا لقمہ بنا دینے سے۔

(ب) راجپوتوں کی بچہ کشی مغربی صوبہ پنجاب اور مشرقی ہند میں۔

(۳) انسانی قربانی۔

(الف) ہندوؤں کی قربانیاں۔

(ب) جنگلی اقوام سے۔ کھونڈ کے میریہ اقوام۔

(۴) خودکشی

(الف) مورتی رتھوں سے۔

(ب) دریاؤں میں زائرین کے غرق ہونے سے
(ج) غاروں میں زائرین کے گرنے سے۔
(د) کنوؤں میں مہوکاں کے گر پڑنے سے
(ہ) نرگ سے۔

(۵) خود اختیاری عذاب

(الف) سیخ کے ساتھ لٹکنے سے
(ب) ران چھیدنے سے
(ج) زبان کاٹنے سے۔
(د) چھریوں پر گرنے سے۔

(۶) جبریہ عذاب۔

(الف) وحشیانہ قتل۔
(ب) مجرموں کے اعضا کاٹنا
(ج) عذاب سے اقبال کرانا۔
(د) خونی اور ضرر رساں آزمائش۔
(ہ) عورتوں کے ناک کاٹ ڈالنا۔

(۷) غلامی۔

(الف) نسلاً غلامی۔
(ب) گھرو کی غلامی۔
(ج) افریقہ سے غلام لانا۔

(۸) استیصال بالجبر

(الف) دہرم سے
(ب) نرگ سے

(۹) ذات کی حفاظت قانون سے

(الف) نیچ ذات کو عہدوں سے خارج رکھنا۔
(ب) اونچی ذاتوں کو شہادت میں پیش ہونے سے مستثنےٰ کرنا۔

(ج) نیچ ذاتوں کو ذلیل حالت میں رکھنا۔

(۵) بیوگان کو شرعی شادی کی ممانعت۔

اسبات کو تسلیم کر لینا چاہیئے کہ مذکورہ بالا کچھ چھوٹا سا کارنامہ نہیں ہے اور اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ انگریزی حکومت نے ہندوستان کے طول اور عرض میں ایسی ہوا پیدا کر دی ہے جو ان سوشل اور مذہبی رسم و رواج (خواہ کسی قدر قدیم ہوں) کے جاری رہنے کے سخت مخالف ہے۔ جو لوگوں کی بہتری کے لئے مضر ہو سکتی ہیں بہت سی رسوم جنکا اوپر ذکر ہوا، قانون کے پورے زور کیساتھ دبائی نہیں گئیں۔ بلکہ خود بخود ہی نابود ہو گئی تھیں۔ جسکی وجہ عیسوی تہذیب ہے جو چپ چاپ لوگوں کی حالت درست کرنے میں کام کر رہی ہے۔ ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ مگر تنور ابھی گرم ہے۔ اور ہر ایک جماعت اور فرقہ کے ساتھ یکساں برتاؤ جو انگریزی گورنمنٹ کی روح رواں ہے، لوگوں کی سوشل تجارتی اور مذہبی حالت میں اس بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں اس سے زیادہ ترقی کریگا۔ جسقدر کہ گذشتہ پشت میں ہوئی ہے۔

اس کتاب میں ان مفید اصلاحوں کا انکار نہیں کیا گیا۔ جو عمل میں لائی گئی ہیں اور نہ ہی اس بات سے انکار ہے۔ کہ حکمران ہندوستان کو فائدہ پہنچانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ مگر ان کی یہ خواہش ان خیالات کے مطابق ہے۔ جو ہندوستان کے مناسب حال پہلے سے انہوں نے اپنے ذہن میں رکھے ہوئے ہیں۔ میں تمام فوائد کو تسلیم کرتا ہوں۔ کسی جگہ بھی میں نے دانستہ انکی نیت پر حملہ نہیں کیا۔ اور نہ ہی کسی کو متہم کیا ہے۔ ہر جگہ ہر ایک آدمی کے اپنے الفاظ درج کئے گئے ہیں کسی جگہ بھی میں نے کوئی قول درج نہیں کیا۔ اور نہ ہی کسی عبارت سے ایسا اقتباس کیا ہے جو کہنے والے یا لکھنے والے کے دلی منشار کے خلاف معنے دے جس بات پر میں بحث کر رہا ہوں۔ وہ لوگوں کی خطرناک اور ملک کی پست حالت ہے اور اس طرح یہ حالت جسکی میں نے تشریح اور توضیح کی ہے نمودار ہوئی ہے۔ یہ کام میں نے عیب جوئی کے خیال سے نہیں کیا۔ اور نہ ہی اس کام کی بیقدری کرنے کے خیال سے جو میرے ہم وطنوں نے کیا ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں۔ کہ جو برائی

ہر روز عمل میں آرہی ہے۔ گو یہ ارادہ ہی سہی۔ ہماری رعایا کے کروڑہا مخلوق کی ناقابل بیان اور ناقابل برداشت تباہی کا موجب ہو رہی ہے مجھے اطمینان ہی کہ نقص دور کیا جا سکے گا۔ اگر ہیکٹر تسلیم کرلئے گئے۔ میں دیکھتا ہوں۔ کہ میرے ہموطن سرکاری اور غیر سرکاری جو ہندوستان میں ہیں۔ مندرجہ ذیل حقیقت کوئی اہمیت دیکھنے کے ناقابل ہیں۔ یا دیکھنا چاہتے ہی نہیں۔

سنہ ۱۸۰۰ء سے سنہ ۱۸۲۵ء تک	سنہ ۱۸۷۵ء سے سنہ ۱۹۰۰ء تک
۴ قحط	۲۲ قحط

مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بالمقابل چار کے ۲۲ قحط صرف ہماری طرز حکومت کا ثمرہ ہیں۔ یعنی اسکا جو کچھ ہم نے کیا ہے۔ اور اس کا جو کچھ ہم نے نہیں کیا۔ اور بدوں کسی کے ساتھ کینہ رکھنے کے درد بھرے دل کے ساتھ اور ان لوگوں کے لئے جگر ریش ہو کر جو نہایت ذلیل ہو گئے ہیں اور مصیبت زدہ ہیں اور جن کا سوای اس کے کوئی قصور نہیں۔ کہ وہ مصیبت میں بڑے صابر ہیں۔ میں ہندوستان کی داستان سناتا ہوں۔ جیسی کہ مجھے یاد ہے۔ میں اس داستان کو سنائے بغیر نہیں سکتا۔ اگر مجھ میں فرائض ادا کرنے کی کچھ ہی سمجھ باقی ہے۔ مجھے پہلے سے نظر آتا ہے کہ میری کوشش رائیگاں جائیگی۔ اور میری محنت لاحاصل ہو گی۔ اس پر بھی میں کوشش کرتا ہوں۔ اور محنت برداشت کرتا ہوں۔

خاتمہ پر نکتہ چینی کرنے سے پہلے میں چند ایک لوگوں کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ریمارک پیش کرنے کی معافی چاہتا ہوں۔ جنکا میری اس کتاب کے ساتھ کچھ تعلق ہے۔ میں اس طریقہ کو پسند نہیں کرتا۔ جو مجھے مجبوراً اپنے خیالات کے اظہار کے لئے اختیار کرنا پڑا ہے مجھے اعتراض اس بات کا ہے کہ میں نے جو کچھ کہا ہے اس کی طرف میں وزیر ہند وائسرائے گورنر یا کونسل کو توجہ کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ خواہ میرے وجوہات کی تردید نہ ہو سکے۔ مگر میں یقین نہیں دلا سکتا۔ کہ انکی طرف توجہ کیجائیگی۔ سنہ ۱۸۵۵ء میں میں نے ایک چھوٹی سی کتاب ہندوستان پر لکھی تھی۔ جو میں وہ شائع ہوئی۔ جان سلینگ۔ ایم۔ پی۔ اسوقت کے پارلیمنٹری انڈر سکرٹری جے۔ کے کراس کے پاس گیا۔ اور اس سے پوچھا "کیا

آپ نے وہ کتاب پڑھی ہے" مسٹر کراس نے کہا" ہاں پڑھی ہے" مسٹر سلینگ نے
پوچھا" آپ اب کیا کرنا چاہتے ہیں" مسٹر کراس نے جواب دیا" اوہ۔ کچھ نہیں" مسٹر
سلینگ نے کہا" مگر دیکھئے اسمیں کیا لکھا ہے اور سرکاری سند نقل کی گئی ہے
مسٹر کراس نے کہا" ہاں بیشک مسٹر ڈگبی نے فیکٹر ہماری کتابوں سے نقل کئے
مگر ہم اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ جو کچھ اس نے کہا ہے" اور چونکہ میں کوئی نامور
آدمی نہیں تھا۔ کیونکہ اس سال میں ہوس آف کامنز میں داخل ہونے میں
ناکام رہا تھا۔ اسلئے میری کتاب کی کوئی پروانہ کی گئی۔ لیکن جو کچھ کہا گیا تھا
اُسکی نسبت خیال ہو سکتا تھا۔ کہ بات تو کام کی ہے اس کا مضائقہ نہیں۔ کہ
کہنے والا کون تھا۔ اس لحاظ سے خاصکر معاملہ کی یہی صورت ہوتی۔

جب سے ہندوستان کا خیال مجھ پر غالب آیا ہے میں نے محسوس کیا ہے
کہ ہماری ہندوستانی طرز حکومت کے ماتحت صرف اُنہی لوگوں کے اقوال پر یقیناً
توجہ ہو سکتی ہے۔ جو پارلیمنٹ میں پورے ماہر نکتہ چین ہوں۔ یا ہندوستان
کی حکومت کے ساتھ پیوستہ ہوں۔ ۱۸۷۸ء کی مدت مدید سے میرے دل
میں بھی یہ خیال چلا آیا ہے کہ اس بارے میں میری باری بھی آگئی ہے۔ جو کام
میں نے ۱۸۷۷ سے قحط کی امداد میں کیا تھا۔ اسکی اتنی قدر کی گئی۔ کہ بکم جنوری
۱۸۷۹ میں بطور میری خدمات کے اعتراف کے متوفی قیصرہ کے حضور میری
سفارش کی گئی۔ اور لارڈ لٹن نے جو اس وقت وائیسرائے تھا۔ مجکو از حد حیران
اور خوش کیا۔ جبکہ شروع ۱۸۷۸ میں اس نے مجھے اطلاع دی۔ کہ مجھے قحط
کمیشن کا ممبر نامزد کرنے کی تجویز کی گئی ہے۔ جس کا تقرر بھی لنڈن میں اعلان
کر دیا گیا۔ میں نے سمجھا۔ کہ اب مجھے حسب دلخواہ موقعہ ملے گا۔ اب اصل فیکٹر میرے
ہاتھ آجائیں گے۔ میں بحیثیت ایک کمشنر ہونے کے ہندوستان کی تکالیف کی
تہ تک پہنچ سکونگا۔ میں ایسے نتائج نکالوں گا۔ جس کے ساتھ میرے ہم جلیس

---

[۱] گو کتاب مطلق ضائع نہ گئی۔ ہندوستان کی پبلک لائف میں بعض آدمی ہیں جنہوں
نے مجھے بتایا ہے کہ میری وہ کتاب اُنکے لئے ابتدائی کتاب تھی۔ جس سے ان کو ہندوستانی
مسائل کے مطالعہ کا خیال پیدا ہوا۔

اتفاق کرینگے۔ اور اگر انہوں نے اتفاق نہ کیا۔ تو میں ایک چھوٹی سی رپورٹ الگ تیار کرونگا جس پر کچھہ نہ کچھہ نوٹس لیا جائیگا۔ مگر بدقسمتی سے وہ موقعہ مجھے نہ ملا۔ اور سر سٹوارٹ کالون بیلی قایم مقام پرائیویٹ سکرٹری وایسرائے دگورنر جنرل انڈیا نے شملہ سے ۱۷۔ اپریل سنہ ۱۸۹۸ء کو مجھے حسب ذیل چٹھی لکھی۔

"ہز اکسیلنسی وایسرائے کی خواہش کے مطابق میں آپکو اطلاع دیتا ہوں کہ ذاتی طور پر وہ آپ کو قحط کمیشن میں مقرر کرنے کے بڑے خواہشمند تھے اور کچھہ عرصہ تک وہ اس معاملہ پر غور بھی کرتے رہے ہیں۔ مگر جنرل سٹریچی کے ساتھہ مشورہ کرنے کے بعد اور کمیشن کے ضابطہ کے متعلق ڈسپیچ کو مدنظر رکھہ کر انکی یہ رائے ہوئی ہے کہ وہ آپکی خدمات کا فایدہ نہیں اٹھاسکتے۔ مگر اس سے یہ نہیں سمجھا جانا چاہیئے۔ کہ آپ نے گذشتہ سال کے مناظروں اور مشقتوں میں حصہ نہیں لیا۔ علاوہ آپکی اہم پوزیشن متعلقہ قحط کمیٹی۔ آپ کی پوزیشن بحیثیت اخبار نویس ہونے کے ضروری ہے کہ اُن بعض امور پر آپ کی رائے قطعی قایم ہو جانے کا موجب ہوئی ہو۔ جو امور بحث کے لیئے کمیشن میں پیش ہونگے۔ اس لیئے لارڈ لٹن کی رائے میں اگر آپ کو کمیشن کا ممبر مقرر کیا جائے تو وہ رُکاوٹ جو وزیر ہند نے انکی انتخاب پر دبدہ دوانستہ لگادی ہے لفظاً اور معناً ٹوٹ جائی ہے۔"

میرے تقرر پر اصلی اعتراض مجھے بعد ازاں خود جنرل سٹریچی نے یہ بتایا کہ میں چونکہ ہندوستان میں غیر ملازم آدمی تھا۔ اس لیئے میرے تقرر سے تجارتی اور دیگر جماعتوں کو اپنا اپنا وکیل مقرر کیئے جانے کے لیئے پکار کرنے کا موقعہ ملتا اور یہ موقعہ کسی صورت نہیں دیا جانا چاہیئے تھا۔

اس سے بائیس سال بعد سنہ ۱۹۰۰ء میں قحط کی وجہ سے ایک اور کمیشن مقرر کی جانی ضروری ہوئی۔ اس عرصہ میں میں ہندوستان کے معاملات میں برابر دلچسپی لیتا رہا۔ اور ایسی اصلاحوں کی ضرورت مجھے محسوس ہوئی۔ جو سنہ ۱۸۷۸ء میں مجھے محسوس نہ ہوئی تھی۔ میں چاہتا تھا۔ کہ کسی طرح مجھے سرکاری دستاویزوں کے کھلے بندوں دیکھنے کا موقعہ ملے۔ تاکہ میں معلوم کروں۔ کہ جن نتائج پر میں پہنچا ہوا

ہوں۔ وہ غلط ہیں یا صحیح۔ اس لیئے خودداری کو اپنی جیب میں ڈالکر میں نے لارڈ جارج ہملٹن وزیر ہند کو خود چٹھی لکھی۔ اور اپنی خدمات دینے کی درخواست کی اس میں میں نے اپنا مدعا صاف صاف بیان کر دیا۔ جو یہ تھا۔ کہ مجھے سرکاری دستاویزات پر محنت سے غور کرنے کا موقعہ ملے۔ تاکہ میں نہ بحیثیت کمشنر قحط کمیشن ہی اپنا فرض کماحقہ ادا کر سکوں۔ بلکہ میں یہ بھی معلوم کروں۔ کہ آیا ہندوستانی معاملات میں زیادہ جستجو کرنے سے میں اپنے موجودہ خیال پر قایم رہتا ہوں۔ یا نہیں۔ لارڈ جارج ہملٹن نے میری درخواست کو مہربانی سے پڑھا۔ مگر میری خدمات کا فایدہ اٹھانے سے اپنے آپ کو ناقابل ظاہر کیا۔ اُس نے کہا کہ میں ہندوستان کی حکومت کے بعض امور پر نہایت ہی قطعی رائے رکھتا ہوں۔ اس لیئے مجھے کمیشن میں مقرر کرنا مناسب نہ سمجھا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کو ہندوستان کے متعلق نہایت ہی پیچیدہ اور نہایت ہی ضروری مضمون سے کماحقہ آگاہی حاصل ہو۔ تو وہ اس قابل اور لایق نہیں رہتا۔ کہ وہ اس مضمون کے متعلق اور زیادہ تحقیقات کر سکے۔ حالانکہ معاملہ بالکل اس کے برعکس ہونا چاہیئے تھا۔ جیسے کہ ہر جگہ ہوتا ہے۔ سوائے سرکاری دفتروں کے۔

خیر میں اپنی قسمت پر صابر شاکر رہا۔ مگر میں بالکل خاموش نہ رہا۔ لارڈ کرزن نے اس قحط کو "صدی کا سب سے خطرناک قحط قرار دیا" لارڈ موصوف نے اپنی ایک تقریر میں ملک کی حالت کا ذکر کیا۔ جس پر میں نے اس کے نام ایک کھلی چٹھی لکھی۔ اور اس کے بعد ایک تتمہ لکھا۔ جس میں میں نے ثابت کیا۔ کہ لارڈ موصوف کے اظہار سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ملک نہایت ابتر حالت میں ہے۔ اور ملک کے بعض حصوں میں اگر یہی طرز جاری رہی۔ تو بالکل ہی تباہی آ جائیگی۔ جب اخیر مارچ سنہ ١٩٠١ء میں وائسرائے کی کونسل کلکتہ میں مالی حساب درپیش تھا۔ ہز اکسیلنسی پریزیڈنٹ نے اثنائے تقریر میں میرے اس خط کا کچھ جواب دیا۔ مگر جو کچھ کہا گیا اس قدر غلط تھا۔ اور نتیجہ نکالنے میں اتنا تسلی بخش تھا۔ کہ میں نے ایک دوسری کھلی چٹھی لارڈ کرزن کے نام لکھی۔ جسکی ایک نقل میں نے وزیر ہند کی اطلاع کے لیئے انڈیا آفس میں بھی روانہ کی۔

اس کھلی چٹھی میں سے یہ کتاب تیار ہوئی ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا ہے۔ یہ کتاب میرے خیالات کے اظہار کا ایک افسردہ ذریعہ بنی ہے۔ مگر میں اتنا ہی کچھ کر سکتا تھا۔ جیسا کہ ۱۸۸۵ء میں ویسا ہی ۱۹۰۱ء میں پرائیویٹ طور پر اسبات کو تسلیم کر لیا جائیگا۔ کہ "میرے اعداد و شمار نظر انداز نہیں کئے جا سکتے۔ کیونکہ وہ انڈیا آفس کے اعداد و شمار ہیں۔ مگر میرے نتیجے! اوہ! نتیجوں کے ساتھ ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ ہر ایک آدمی اپنے مطلب کے موافق فیکٹس سے نتیجے نکال سکتا ہے" اور سرکاری طور پر پھر کوئی پروا نہیں کی جائیگی میں نہیں جانتا۔ کہ جس طریق پر میں نے فیکٹس پر بحث کی ہے۔ اور جس طریق پر اس واقفیت کا استعمال کیا ہے جو سب کے روبرو کھلی ہوئی ہے۔ اس سے میرے ہموطن مرد اور ہموطن عورتیں عموماً اور میرے ہندوستانی رعایا بھائی بالتمام اس سے متحرک ہو سکیں گے یا نہیں۔ میں نے اس محنت شاقہ کے سال میں اپنے فرصت کے وقت کو جو پبلک فرائض سے بچا ہے نہایت محنت کے ساتھ خرچ کیا ہے یہاں میں اپنا عاجزانہ پارٹ ختم کرتا ہوں۔ جس کو میری ساتھ ہی فراموشی غفلت کے پردہ میں چھپا دیا جائے اگر مندرجہ فیکٹس کا اتنا نتیجہ نکل آئے۔ کہ قابل محنت اور لائق لوگوں کی ایسی اچھی حالت ہو جاوے جس حالت کی نظیر کوئی ملک سوائے خدا کے انگلینڈ کے اپنی ماتحت ملک کی حکومت میں دکھا نہیں سکتا!!
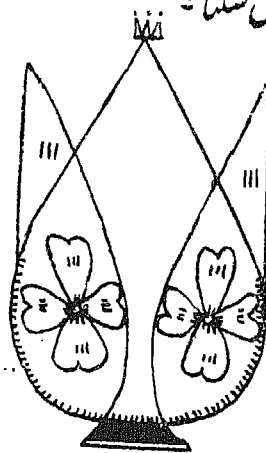
پہلا باب

"انڈیا پر حکومت واقعات کے مطابق نہیں کیجارہی"
"بلکہ اُن خیالات کے مطابق جو پہلے سے ذہن میں رچے ہوے ہیں"

برٹش دنیا ہندوستان کے متعلق بڑے دھوکے میں ہے۔ اس سے بڑا دھوکا لوگوں نے کبھی نہیں کھایا۔ اور نہ ہی اس سے پہلے دھوکے سے اسقدر اخلاقی ذہنی اور جسمانی نقصان ماتحت رعایا کو پہنچا ہے۔ گو بہت سے تباہ کن دھوکے تاریخ کے صفحوں پر گہرے حروف میں کندہ ہیں۔

اگر اس کتاب کے باب لکھے جانے کے بعد بھی یہ دھوکا بدستور رہا۔ تو جہاں تک ایک آدمی کے علم کا تعلق ہے خواہ وہ علم تھوڑا ہی ہو۔ اس کے رو سے شہادت کی کوئی قدر باقی نہ رہے گی۔ اور فیکٹ اور واقعات اس صورت میں صداقتیں نہیں سمجھی جائینگی۔ بلکہ پہلے سے ذہن میں راسخ شدہ خیالات اور وہ نظارے جنہیں آنکھ دیکھنا پسند کرتی ہے۔ ناقابل شکست سچ قرار دیئے جائینگے۔

وہ کونسے اصول تھے۔ جن پر ہماری حکومت ہندوستان میں شروع ہوئی؟ پہلے پہل تو دراصل کوئی اصول نہ تھا۔ اسوقت ہمیں پاؤں جمانے کی ضرورت تھی۔ اور ہمیں لوگوں کے حال یا آئندہ فوائد کا لحاظ کرنے کی مطلق فرصت نہ تھی۔ سنہ ۱۷۵۷ سے اٹھارہویں صدی کے شروع تک ہمارا بڑا بھاری کام صرف دولت بٹورنا تھا۔ جس طریقہ سے وہ دولت بٹوری جاتی تھی۔ وہ ایک جدا اور غیر ضروری معاملہ تھا۔ ہم ہندوستان میں دولت پیدا کرنے آئے تھے اور دولت پیدا کرنے کے لئے ایمانداری کے سایہ کو بھی پاس بھٹکنے نہ دیا گیا۔

برک نے ہندوستان میں انتظام انصاف پر منتخب کمیٹی کی نویں رپورٹ میں بخوبی یہ داستان بیان کر دی ہے۔ میکالے نے بعض مضامین میں ان واقعات کو ایسے طرز سے مجملاً بیان کیا ہے کہ انگریز لوگوں کو ضروری ہندوستان کا لحاظ کرنے کی ترغیب ہوئی۔ مگر برک کو آجکل کوئی پڑھتا ہی نہیں۔ اور میکالے علمی مضمون بنگیا ہے جو کچھ اس نے لکھا ہے اس کو گویا آج کے واقعات کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں۔ علمی مضامین تعلیم کے لئے مخصوص ہیں۔ نہ کہ علمی رائے تیار کرنے کے لئے۔ جو کچھ اس نے لکھا ہے۔ ہم اسے ہی پڑھ چھوڑتے ہیں۔ جیسے کہ گبن کو۔ جو واقعات اسمیں بیان کئے گئے ہیں۔ وہ دلچسپ ضرور ہیں۔ لیکن ہم نہیں سمجھتے۔ کہ ان کا ان واقعات کے ساتھ جو سال بسال بلکہ روز بروز ہماری آنکھوں کے سامنے ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ کوئی تعلق ہے پھر بھی جو کچھ اٹھارھویں صدی اور انیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں۔ بنگال۔ مدراس اور بمبئی میں ظہور پذیر ہوا۔ وہ ہمارے لئے نہایت ہی اہم ہے

کیونکہ اسوقت جو کچھ عمل میں آیا۔ اس سے ایک طرف تو سرمایہ ہاتھ آیا جس سے انگلینڈ کی حرفت وصنعت کو عروج حاصل ہوا۔ اور دوسری طرف ایک غیر حکومت کی طرز کی بنیاد ڈالی گئی۔ جو اصولاً ابتک ویسی ہی ہے جیسی کہ ایکسو سال پہلے تھی۔ ظاہراً کچھ تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ مگر اصولاً اسمیں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی موجودہ حالت کی ٹھیک سمجھ آسکتی ہے۔ جب کہ گذشتہ حالات کو مدنظر رکھا جاوے۔ جو کمی سنہ ۱۹۰۱ء میں ہماری طریقہ حکومت ہند میں دکھائی دے رہی ہے۔ جہانتک کہ ہندوستانیوں کا تعلق ہے۔ اور جو کچھ غیر معمولی غربت ہندوستانی براعظم میں پھیل رہی ہے۔ وہ ہماری اس طرز حکومت کا نتیجہ ہیں۔ جو نیک نیتی سے مگر غلطی سے پہلے شروع کیگئی۔ اور ابتک بحال رکھی گئی۔ وہ اصول حکومت تین قسم کے ہیں۔

اول۔ تسلط بذریعہ تجارت۔ ہندوستان کی دولت علانیہ سمیٹنا ننگے طور سے سنہ ۱۷۵۷ء سے سنہ ۱۷۸۷ء تک۔

دوم۔ تسلط بذریعہ اطاعت بالجبر۔ ہندوستان انگلینڈ کے لئے آغاز سے انجام

دوم ۱۷۸۳ء سے ۱۸۳۳ء تک۔

سوم۔ تسلط بذریعہ پوست۔ خوش معاملگی کا دکھاوا۔ اور زور کے ساتھ ہندوستانی قوم کو ادنیٰ حالت میں لازماً قایم رکھنا ۱۸۳۳ء سے ۱۹۰۱ء تک۔

تاریخ ہندوستان کو سمجھنے کے لیئے مذکورہ بالا ہر ایک صورت کو جانچنا چاہیئے۔ اور جو شہادت ان سے نتایج کی تائید میں لازمی طور پر پیدا ہوتی ہے۔ اس کو بھی دیکھنا چاہیئے۔ یہ شہادت مختصر سے مختصر ہوگی۔ مگر متعلقہ فیگر ضرور ہی بیان کرنے پڑینگے۔ خواہ پڑھنے والے کو یہ خیال گذرے کہ یہ سرکاری بیانات کو زیادہ وزن دار کرتا ہے۔ انگلینڈ نے جب ہندوستان کے ساتھ تعلق لگایا تھا۔ تو اُسے سلطنت کی غرض نہ تھی۔ ایک عرصہ تک جب کہ ہمیں حکومت کا موقعہ ملا۔ ہم نے اس پر تسلط جمانے کا خیال نہ کیا۔ لنڈن کے سوداگروں کی کمپنی بار بار نہایت گریہ وزاری کے ساتھ اپنے ملازموں کو حکم کرتی رہی۔ کہ اور رقبہ اپنے قبضہ میں نہ لاویں۔"

ہمارے ایک بڑے گورنر جنرل نے جب نیپال کے ایک ایلچی کی پیشگوئی ابتدائے انیسویں صدی میں سنی۔ کہ انگریزی اقتدار کی ترقی ہرگز بند نہ ہوگی جب تک وہ دریائے سندھ تک نہ پہنچ جاوے۔ تو اس نے صاف انکار کیا اور کہا ہمارا ہرگز یہ منشا نہیں ہے۔

جب ۱۷۷۲ء میں وارن ہیسٹنگز پہلا گورنر جنرل مقرر ہوا۔ تو اس وقت ان انگریزوں کو جو ہندوستان میں تھے۔ یہ الزام نہیں دیا جاسکتا۔ کہ انہوں نے رعایا کی بہتری کا خیال نہ کیا۔ جیسے کہ ایک ذمہ دار سلطنت کو کرنا چاہیئے تھا۔ اسوقت تک تو بوجہ اس کے کہ فرانسیسی جنوبی ہند میں موجود تھے۔ اور ملک کی طاقتوں کے ساتھ لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ اصلی حالت چھپی ہوئی تھی انگریز متلاشی دولت سمجھے جاتے تھے۔ اور ان کی نسبت اگر کچھ اچھا کہا جاسکتا ہے تو اتنا ہی جتنا کہ ایسے متلاشیوں کیلئے کہا جاسکتا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اگر انہیں اس وقت کچھ اختیار حاصل تھا۔ تو بطور کمپنی کے تھا۔ اسوقت کی پوزیشن ہندوستان کی طرف انگریز لوگوں کی اسی قسم کی تھی۔ پیشتر اس کے کہ تاج

یعنی قوم براہ راست ہندوستانی حکومت کی ذمہ وار بنگئی"

بطور دولت کے متلاشیوں کے قریباً دو سو سال گذرے ہیں کہ بنگال اور دیگر پریزیڈنسیوں میں جو انگریز اول اول آئے وہ ملک اور باشندوں کو لوٹ کے لئے عمدہ شکار سمجھتے رہے - مگر اب شاہ ایڈورڈ ہفتم شہنشاہ ہند کے عہد میں اور متاخر انگریز حکمرانوں کی ماتحتی میں بھی ہندوستان لوٹ کے لیئے عمدہ شکار سمجھا اور لوٹا جا رہا ہے - گو اب مغربی تہذیب کی بہت سی شعاعیں جو اس مطلب کے لیے بکثرت نکل سکتی ہیں - اس پر پردہ ڈالتی ہیں - اور پُر زور آواز مگر کم معنی گونج رہی ہے جو سیکرٹری آف سٹیٹ دھوکا کہا کرتے ہیں - اور ہوس آف کامنز سال میں ایک مرتبہ جبکہ ہندوستانی بجٹ انگریزوں کی پوجا کے لیئے نکالا جاتا ہے - نکالتا ہے - خواہ کسی انگریز کے کانوں کو یہ نہایت ہی بُرا سنائی دے - مگر اس میں شبہ نہیں کہ آج ہندوستان اس سے زیادہ شرمناک طور پر لوٹا جا رہا ہے - جتنا کہ اس سے پہلے کبھی لوٹا گیا تھا - ہماری ابتدائی حکومت کی باریک چابک اب آہنی زنجیر بن گئی ہے - کلائو اور ہیسٹنگز کی لوٹ اس نکاس کے مقابل ہیچ ہے - جو روز افزوں ترقی کے ساتھ ایک ملک کو دوسرے ملک کا خون جان بہا کر مالامال کر رہا ہے - انگریز حکمرانوں نے دنیا کی تاریخ میں اپنی حکومت کا نہایت نیک ثمرہ پیش کیا ہے - جس کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے - مگر اس کے عقب میں روز افزوں ابتری بھی چھپائی نہیں جا سکتا - حکمرانوں نے بلاشبہ ارادہ نہیں کیا تھا - اور اس لیئے جب وہ دکھائی جاتی ہے - تو وہ اس کے وجود سے انکار کرتے ہیں - اور بہت کم برٹش لوگوں کے خواب و خیال میں آسکتی ہے - اور بہت کم اس کی ہستی کے قایل ہوتے ہیں - وہ کہتے ہیں کہ ہماری مراد ابتری پھیلانے کی نہیں تھی - اور نہ ہی ہماری خواہش تھی کہ ابتری پیدا ہو - اور اس لیئے اگر ابتری دکھائی دے رہی ہے تو یہ انسانی ابتری نہیں ہو سکتی - اس کا یقین کرنا ہی موہوم خیال ہے - ہاں ہاں یہ وہم ہے - مگر اس کو زیادہ صحیح طور پر دھوکا کہتے ہیں -

تسلط بذریعہ تجارت

۲۶ - اپریل ۱۷۶۵ء کو کورٹ آف ڈائرکٹرز کی ایک چٹھی بنگال میں پہنچی جس

ہیں حسب ذیل فقرے تھے۔

"ہم بڑی بیصبری کے ساتھ لارڈ کلائو اور اُس کے ہمراہیوں کی آمد کے منتظر ہیں چونکہ وہ پچھلے دنوں انگلینڈ میں تھے۔ اس لیئے اس رائے کے بہترین جج وہی ہو سکتے ہیں۔ جو گورنمنٹ اور قوم نے بنگال میں انگریزوں کے گذشتہ چار سال کے عہد کے متعلق قایم کر رکھی ہے۔ جو رائے ہم افسوس کرتے ہیں یہ ہے۔ کہ انگریز عہدہ داروں نے۔ سخت ظلم کرنے اور دولت سے ہاتھ رنگنے کے مجرم سمجھے گئے ہیں۔

ہم یہاں اپنے سابق گورنر اور کونسل کی پولیٹیکل چال پر بحث کرنا نہیں چاہتے۔ مگر اتنا ہم کہنے سے نہیں رُک سکتے۔ کہ کمپنی کے تمام ملازموں پر دولت لوٹنے کی بے اندازہ پیاس نے اس درجہ غلبہ پا لیا۔ کہ انہوں نے صوبہ کی گورنمنٹ کے ساتھ انصاف کرنے اور کمپنی کا فرض ادا کرنے کو بالکل نظر انداز کر دیا۔"

برک نے اس داستان کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

"یہ نیا طریقہ تجارت جو حکومت اور پبلک ریونیو کی وساطت سے شروع کیا گیا بہت جلد فطرتی پھل لایا۔ تمام دیسیوں اور تمام غیر اقوام میں جو ہندوستان میں تجارت کرتے ہیں ایک شور پکار اُٹھ کھڑی ہوئی۔ بلاشبہ اس طریقہ سے تمام کے تمام تجارتی انتظام میں گڑبڑ پیدا ہو گئی۔ ریونیو کی امداد کے لیئے کوئی تجویز نہ کی گئی۔ اور یورپین طاقتوں کے بارہ میں یہ مقدمہ اور بھی سنگین تھا۔ پریزیڈنسی نے صاف طور پر ڈائرکٹروں کو لکھا کہ غیر اقوام کے ساتھ عہدنامہ ہو جانا چاہیئے جسکے رو سے ایک حد تک وہ راس المال لگا سکیں۔ ورنہ جو حالات اسوقت موجود ہیں۔ انکا خاتمہ فرانس کے ساتھ کھلم کھلا جنگ و جدل پر ہو گا[۱] باوجود سنہ اکے قحط کے جس سے بنگال پر بے نظیر خطرناک تباہی آئی۔ راس المال مختلف قسم کی متواتر تدابیر سے جنمیں سے بعض بڑی خطرناک خاصیت کی تھیں۔ جبر کے ساتھ قائم رکھا گیا۔ اور باوجود اس خلاف فطرت اور جابرانہ حالت کے اسے سال بسال اور شکنجہ کیا جاتا رہا۔ اس طریق کے اوایل میں جو قرضہ لیا گیا وہ بتدریج کم ہوتا گیا۔ اور ٹھیکہ داروں اور کارخانہ داروں

---

[۱] نویں رپورٹ صفحہ ۴۷۔ مجموعہ تصانیف برک جلد ۳۔

کو پنشگی روپیہ برابر دیا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ بنگال سے جو مال کچھ ریاست کی آمدنی سے اور کچھ انگریزی مال کی فروخت کی قیمت سے اور کچھ اجارہ داروں کی پیداوار سے خرید ا جاتا تھا۔ وہ چار سال میں۔ یعنے سنہ [illegible]ء تک جب کہ زائد آمدنی سے راس المال بند کیا گیا۔ دس لاکھ پونڈ سے کم نہ ہوتا تھا۔ بلکہ بارہ لاکھ پونڈ کے قریب قریب تھا۔ یہ دس لاکھ پونڈ اس مال کی کم سے کم قیمت ہے جو یوروپ کو بھیجا جاتا تھا۔ اور جس کے معاوضہ میں کچھ بھی نہیں دیا جاتا تھا۔ (ہاں اس میں سے ایک لاکھ پونڈ سالانہ جو انگریزی اسباب کی قیمت وصول ہوتی تھی منہا کر دینا چاہئے)

دیگر تمام ممالک میں یہ دستور ہے کہ آمدنی اشیاء کی طبعی روش اور ترتیب کی بنا پر تجارت سے حاصل ہوتی ہے۔ مگر یہاں اس ترتیب کو شرارتاً الٹا دیا گیا۔ تمام غیر بحری تجارت۔ خواہ انگریزوں کی۔ فرانسیسیوں کی۔ ڈچ کی یا ڈینش کی۔ آمدنی سے پیدا ہوئی۔ یہ دولت ملک سے کھینچی جا رہی ہے۔ اور اس نقصان کا کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا۔

مگر اسلیئے کہ ان بیاسوں کی عظمت اور ان کے اثر صاف طور پر دکھائی دیں آپکی کمیٹی نے بنگال کی آمدنی کے ان حصوں کے استعمال کیطرف توجہ کی ہے۔ جو کمپنی کے چینی اور یوروپین راس المال میں نہیں برتے جاتے۔ جو کچھ راس المال (اگر راس المال لگایا جاوے) سے اوپر اور زیادہ کل آمدنی سے لیا جاتا ہے خواہ وصولی مالیہ یا ملکی اور فوجی عملہ کے اخراجات کے لیئے وہ امن کے زمانہ میں کم از کم بیس لاکھ پونڈ ہوتا ہے۔ اس رقم میں سے جو ملکی حکومت کے سنبھالنے میں صرف کیجاتی ہے۔ دیسی بالکل ہی محروم ہیں۔ جیسے مالیہ کی بڑی بڑی محاصل سے سوائے خال خال کے وہ یوروپین لوگوں کے نوکروں یا ایجنٹوں کے طور پر ملازم ہیں۔ یا وصولی مالیہ کے نہایت ادنیٰ درجہ میں۔ جہاں اونکی امداد کے بغیر کام چلنا ہی ناممکن ہے۔ جب وصولی مالیہ ہمنے اپنے ہاتھ میں لیا۔ تو اس سے کچھ عرصہ پیشتر تک عہد نامہ کی شرط کے بموجب نواب بنگالہ کو چار لاکھ بیس ہزار پونڈ سالانہ اپنی گورنمنٹ سنبھالے رکھنے کے لیئے دیا جاتا رہا۔ یہ رقم اگرچہ صوبہ کے مالیہ کے

سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ پھر بھی چونکہ ملکی انتظام کے مختلف حصوں میں تقسیم کیجاتی ہے۔ اس سے کسی حد تک اچھے درجہ کے دیسی خصوصاً مسلمان بالکل تباہ ہونے سے بچ گئے۔ اس مذہب کے لوگ (مسلمان) جو تجارت کیطرف مصروف نہ تھے۔ اور نہ ہی بنگال فتح کرنے پر انہوں نے اصلی مالکان زمین کو انکی وراثت سے محروم کیا۔ اپنی گذارہ کے لئے زیادہ تر بطور ایک نرم مزاج فاتح کے ملکی اور فوجی عہدوں کے حصہ دار بننے پر منحصر تھے۔ مگر آپ کی کمیٹی نے معلوم کر لیا ہے کہ یہ انتظام بہت تھوڑا عرصہ رہا۔ بدوں ان بے کس لوگوں کے گذارہ کا ذرا لحاظ کرنے کے یا عہدنامہ کو وفا کرنیکا خیال کرنے کے جبکہ جب وہ لوگ انگریزی حکومت کے ماتحت لائے گئے تھے۔ یہ رقم ایک نئے عہدنامہ کے روسے گھٹا کر تین لاکھ بیس ہزار پونڈ کر دی گئی۔ اور پھر جلدی (نواب کی صغیر سنی۔ اور اس کے قرضہ کی آدائیگی کا بہانہ سامنے رکھکر) یہ رقم ایک لاکھ ساٹھ ہزار پونڈ کر دی گئی۔

لیکن جب وہ بالغ ہو گیا۔ اور قرضہ بھی ادا کر دیا گیا۔ (اگر سچ مچ ادا کیا گیا ہے) تب بھی یہ تخفیف بدستور رہی۔ اور آخری اطلاع سے صاف واضح ہوتا ہے کہ نواب کا وظیفہ ابھی تک وہی تخفیف شدہ ایک لاکھ ساٹھ ہزار پونڈ ہے۔

مسلمانوں اور دیگر اعلیٰ درجہ کی اقوام کا دوسرا ذریعہ آمدنی فوج تھا۔ اس فوج میں جسمیں ۹/۱۰ دیسی ہیں۔ کوئی دیسی خواہ کس قابلیت کا ہو۔ ایک صوبہ دار کمانڈنٹ سے بڑے عہدہ پر نہیں ہے۔ جو انگریزی سبالٹرن کے درجہ سے بھی نیچے ہے اور دیسی سپاہیوں کی ایک کمپنی کا افسر ہوتا ہے

آپ کی کمیٹی سمجھتی ہے کہ انتظام معقول کے موافق ہوگا۔ کیونکہ لڑائی کے بعد کچھ تبدیلی ہوئی ہوگی۔ مگر فوج کے تمام معزز اور فائدہ مند عہدے اور فوج کی رسد وغیرہ کے ٹھیکے سب کے سب انگریزوں کے ہاتھ میں ہیں اور ایک عام سپاہی یا بعض ادنے درجہ کے افسروں کی ذاتی خوراک کے سوا سب کچھ انگریز افسروں کے مبنر کے اخراجات کے جلدی یا دیرسے۔ اور ایک یا دوسری صورت

ہیں برابر ملک سے نکالا جا رہا ہے ۱۱؎ (نویں رپورٹ صفحہ ۵۴۳۱۱)۔

گورنر ویرسٹ جس نے یہ واقعات خود دیکھے ہوئے تھے۔ نہایت خصوصیت کے ساتھ برک کے بیان کی تصدیق کرتا ہے۔

آجکل کی یورپین قوموں کی خوشحالی کی بنا قدیم تہذیب کی اقوام سے لوٹ مار پر ہے۔ سپین نے جنوبی امریکہ کو لوٹا۔ انگلینڈ نے عہد الزبتھ میں ڈریک سے لیکر عہد کرامول میں بلیک تک تمام لوسی ٹینئن جہاز جو خزانہ سے لدے ہوئے سپین کو جا رہے تھے۔ حتی الامکان پکڑ لئے۔ اور جو کچھ ملا اپنے تصرف میں لے آیا۔ مگر جب زمین اور اس کے دفینوں کی ترقی شروع ہوئی۔ تو یہ زاید روپیہ بھی اس کے لئے کافی نہ ہو سکا انگلینڈ کو بڑے روپیہ کی ضرورت تھی۔ اور اندر سے پیدا نہ ہو سکتا تھا۔ انگلینڈ بڑے زور سے براعظم اور دیگر مقامات پر روپیہ کے لئے ہاتھ مار رہا تھا۔ کچھ عرصہ تک تو بنک کے نوٹوں نے کچھ امداد دی۔ مگر ضرورت سکہ کی تھی۔ جو جاری شدہ کاغذ کی معدنی بنا بن سکے۔ آخر کار سکہ ملگیا یہ کہاں سے؟ ہندوستان سے اسطرح یہ روپیہ حاصل کیا گیا۔ اس کا ذکر مسکالے نے کلایو اور ہسٹنگز پر جو مضامین لکھے ہیں۔ انہیں کھول کر بیان کر دیا ہے۔ اس مورخ کی تصانیف ہر ایک ناظر کے ہاتھ میں ہیں اور ہر ایک کو دستیاب ہو سکتی ہیں۔ اس لئے مجھے معاف کیا جائے۔ اگر میں صرف پڑھنے والے کو یاد دلا دوں اور انکا اقتباس نہ کروں۔ کیونکہ مجھے اور بہت کچھ بیان کرنا ہے۔ جو ہر ایک معمولی پڑھنے والے کو میسر نہیں آ سکتا۔

انگلینڈ کو حرفی اقتدار صرف اس لئے حاصل ہوا۔ کہ بنگال اور کرناٹک کے خزانے اُسے استعمال کرنے کا موقعہ ملا۔ اگر یہ دولت معززانہ اور معمولی طریق سے حاصل

۱؎ کسی غیر کو لوٹا نہ گیا۔ اور گھر کی چاندی کا ذخیرہ سال بسال کم ہوتا گیا جبکہ انقلاب کے وقت سونے کی گنی جو ۱۶۶۲ء میں اپنے اجرا کے وقت سے لیکر ولیم اور میری کی تخت نشینی کے وقت تک بیس شلنگ پر برائے نام فروخت ہوتی تھی۔ بازار میں تیس شلنگ پر بکنے لگی۔ (تہذیب اور زوال کا قانون مصنفہ بروکس ایڈمس۔ صفحہ ۲۴۹۔ سوان سن شین اینڈ کمپنی لمیٹڈ لنڈن سنہ ۱۹۱۰ء)

کی جاتی۔ تو نسکا یٹ کی جگہ نہ تھی۔ اس سے پہلے جبکہ پلاسی کی لڑائی ہوئی اور اس میں فتح حاصل ہوئی۔ اور خزانہ کی لہر انگلینڈ کیطرف بہنے لگی۔ ہماری ملک کی حرفت نہایت ہی زوال کی حالت میں تھی۔ لن کیشایر کا کاتنا اور بننا جہاں تک کلول کا تعلق ہے۔ بالکل ہندوستان کی حرفت کے برابر تھا۔ بلکہ وہ ہنر جس سے ہندوستانی روئی حیرت انگیز حرفت بنگئی تھی۔ وہ تمام مغربی اقوام میں مطلق نہ پایا جاتا تھا جیساکہ روئی کا حال تھا۔ ویسا ہی لوہے کا تھا۔ اور برٹن میں کیا معدنی اور کیا حرفی صنعت بالکل کمزور حالت میں تھی۔

ہندوستان کی دولت کا انگلینڈ میں آنا۔ اور اس وقت برٹش حرفت کا جلد اٹھنا ان دونوں کا باہمی تعلق اتفاقیہ نہ تھا۔ بلکہ مسبب کا تھا۔ مسٹر بروکس ایڈمس[1] لکھتا ہے۔

"اس اعلےٰ مرکزی سوسایٹی کے نادر الظہور پر بحث کرتے ہوئے جسمیں وہ رہتا تھا۔ ہل نے سرمایہ کی یہ تعریف کی ہے۔ کہ "وہ انسانی محنت کا مجموعہ ذخیرہ ہے" یا دوسرے لفظوں میں سرمایہ۔ جمع شدہ محنت ہے۔ مگر اس محنت کا بہت سا حصہ مقررہ تدلیوں میں بہتا ہے۔ صرف روپیہ ہی ہے جو فی الفور تحریک کی کسی صورت میں تبدیل ہونے کے قابل ہے۔ اس لئے ہندوستانی خزانہ کا بہاؤ قومی نقد سرمایہ کے ساتھ زیادہ تر ملکر نہ صرف محنت کا ذخیرہ بڑھانے کا موجب ہوا۔ بلکہ اس سے اس کی تحریک کی تیز رفتاری اور پائیداری بھی بہت بڑھ گئی۔"

پلاسی کے بعد ہی بہت جلد بنگال کی لوٹ لنڈن میں آنی شروع ہوئی اور اسکی تاثیر فوری ہوئی۔ کیونکہ سب اہل الرائے اسبات پر متفق ہیں۔ کہ "حرفتی انقلاب" جس نے انیسویں صدی کو اس سے پہلے سارے زمانہ سے الگ کر دیا ہے سنہ ۱۷۶۰ سے شروع ہوا۔ سنہ ۱۷۶۰ء سے پہلے بقول بینز جو کل لین کیشایر میں روئی کاتنے کے لئے استعمال کی جاتی تھی۔ وہ ایسی ہی سادی تھی۔ جیسے کہ انڈیا کی۔ سنہ ۱۷۵۰ء میں انگریزی آہنی حرفت بوجہ

[1] تہذیب او بزوال کا قانون۔ بروکس ایڈمس صفحہ ۲۵۹-۲۶۰ سوان سن شین کمپنی لمیٹڈ۔

جنگلوں اور ایندھن کی بربادی کے پورے زوال پر تھی۔ اس وقت بچا
حصہ رہا جو اس ملک میں خرچ کیا جاتا تھا۔ سویڈن سے آتا تھا۔

پلاسی کی لڑائی ۱۷۵۷ء میں ہوئی۔ اور جس تیز رفتاری کے ساتھ تبدیلی
واقع ہوئی۔ اسکی نظیر نہیں ملتی۔ ۱۷۶۰ء میں تیز رو نال نمودار ہوئی اور
لکڑی کی جگہ کوئلہ خرچ ہونا شروع ہوتا۔ ۱۷۶۴ء میں ہارگریوز نے کاتنے
کی کل ایجاد کی۔ ۱۷۷۹ء میں کرامپٹن نے کاتنے کا اوزار نکالا۔ ۱۷۸۵ء میں کارٹ
رائٹ نے کل سے چلنے والا چرخہ پیٹنٹ کرایا۔ اور سب سے اعلیٰ ۱۷۶۵ء میں ویٹ نے
دخانی انجن وضع کیا۔ جو کہ جسمی محنت کا سب سے کامل ساختہ تھا۔ لیکن گو یہ کلیں اس
وقت کی تحریک کو جلد ہی چلانے کے کام آئیں۔ مگر وہ دراصل اس جلد بازی
کا موجب نہیں تھیں۔ ایجادیں اپنے آپ میں ساکت ہوتی ہیں۔ انہیں سے
بہت سی ضروری ایجادیں سالہا سال یونہی پڑی رہیں۔ اور انتظار کرتی رہیں
کہ کب کافی ذخیرہ طاقت کا انہیں چلانے کے لئے جمع ہوتا ہے وہ ذخیرہ ہمیشہ
روپیہ کی صورت اختیار کرتا رہا۔ مگر روپیہ دفن کیا ہوا نہیں۔ بلکہ چلتا پھرتا

چنانچہ چھاپہ کا علم مدتوں سے چینیوں کو معلوم تھا۔ پیشتر اس کے کہ یورپ
میں آیا۔ رومیوں کو غالباً بندوق کے بارود کا علم حاصل تھا۔ پستول اور بریچ لوڈنگ
توپیں پندرھویں اور سولہویں صدی میں پائے جاتے تھے۔ اور سٹیم (بھاپ)
کا تجربہ ویٹ کی پیدائش سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ ویٹ کو اس کا خیال باندھنے
میں بہت کم محنت اٹھانی پڑی۔ اور اس نے اس کو دنیا کے روبرو لانے میں
زندگی صرف کی۔ ہندوستانی خزانہ کی ندی بہنے۔ اور اس کے بعد داد و ستد کی
وسعت سے پہلے کوئی طاقت موجود نہ تھی۔ جو اس مطلب کے لئے کافی ہو سکے
اور اگر ویٹ پچاس برس پہلے پیدا ہوتا۔ تو اپنی ایجاد کو اپنے ساتھ ہی قبر میں لے جاتا
ان مشکلات کا لحاظ کر کے جنکے نیچے اپنے زمانہ کا نہایت قابل اور محنتی کاریگر میتھو
دب گیا۔ کسی کو اس میں کلام نہیں ہو سکتا۔ کہ اگر بولٹن کا کارخانہ برمنگھام میں
نہ ہوتا۔ تو انجن پیدا نہ ہوتا۔ اور ۱۷۶۰ء سے پہلے اس قسم کے کارخانے قائم نہیں
کئے جا سکتے تھے۔ کارخانوں کا طریق "حرفی انقلاب" کا بچہ تھا۔ اور جب تک

کہ عام لوگوں کے پاس سرمایہ جمع ہو گیا۔ جس سے پیشہ ور عظیم جماعتوں کو پختگی اور مضبوطی حاصل ہوئی۔ حرفت کے کام لازماً بکھرے ہوئے افراد سے چلتے تھے۔ جو زراعت اور حرفت کو شامل کئے ہوئے تھے۔

جب سے دنیا شروع ہوئی ہے۔ کسی راس المال سے اتنا نفع حاصل نہیں ہوا۔ جتنا کہ ہندوستان کی لوٹ سے ہوا۔ کیونکہ قریباً پچاس سال تک برطانیہ کلاں کا کوئی حریف مقابل نہ تھا۔ یہ بات ابتدا میں تو نہایت پراسرار معلوم ہوتی ہے۔ کہ کس طرح اس عرصہ تک برطانیہ کلاں کا اجارہ رہا۔ مگر شاید براعظم کی اسوقت کی حالت اسکی کیفیت بتا سکتی ہے۔ جب انکی شرقی تجارت کے نقصان کیوجہ سے تباہ ہوئی۔ تو اس میں اکونومک دل پیدا ہونا ہی بند ہو گیا۔ اسلئے اسکی آبادی کی کوئی جماعت بھی اپنی حرکت دفعتہً اور زور سے تیز نہیں کر سکتی تھی۔ سپین میں پادریوں اور سپاہیوں نے دین میں تنگ کرنیوالوں کو ایسا بیخ و بن سے اڑا دیا۔ کہ وہ بہتی جو انگلینڈ اور فرانس کو سترھویں صدی میں حاصل ہوئی۔ تو کجا سپین کی سلطنت ۱۶۸۸ء کے انقلاب کے وقت اپنے پورے زوال پر پہنچ چکی تھی۔ فرانس میں بھی کچھ اس قسم کا گو اس سے کم درجہ کا واقعہ ہوا۔ ڈیڑھ سو سال کے جنگ و جدل کے بعد کلیسا کو ۱۶۸۵ء میں اتنا غلبہ حاصل ہوا۔ کہ نانٹیز کا فرمان منسوخ کر دیا گیا۔ اس منسوخی کی وجہ سے ہیوجنٹ لوگ جلاوطن کئے گئے اور اس طرح ایک بڑی اکونومک جماعت جو انگلینڈ سے سخت مقابلہ کرتی۔ ملک بدر کیگئی۔ جسنے اپنی محنت ان لوگوں کی محنت کے ساتھ جا شامل کی جہاں وہ جا کر آباد ہوئے۔

جرمنی کے پاس سرمایہ نہیں تھا۔ چونکہ چار طرف دشمنوں نے اسے گھیر رکھا تھا۔ اور کوئی بندرگاہ اس کے پاس نہیں تھا۔ وہ اس تاخت تاراج کی لڑائی میں گھاٹے ہی میں رہی اس لئے وہ دولت جمع نہ کر سکی۔ اور نہ ہی اپنی طاقت مضبوط کر سکی۔ حتی کہ ۱۸۷۰ء میں اس نے فرانس سے خزانہ جبراً حاصل کیا پس ۱۶۶۰ء میں صرف ہالینڈ ہی حریف مقابل بنا رہا۔ جو دولت مند اور بحری طاقت رکھتا تھا۔ اور پراٹسٹنٹ لوگوں سے آباد تھا۔ مگر ہالینڈ میں وہ کثیر

جماعت نہیں تھی۔ جو اسکے زبردست حریف کے پاس تھی۔ علاوہ اس کے وہاں
کانیں نہیں تھیں اور اس لیئے بجائے اپنی ترقی کی رفتار تیز کرنے کے اس سے
پیشتر کی نسبتی رفتار بھی بحال نہ رکھی جا سکی۔

غرض انگلینڈ تن واحد ہی اپنے لوہے اور کوئلہ کی کانوں سے امداد پاکر نہ
صرف یوروپین اور امریکن بازاروں پر ہی قابض ہو گیا۔ جبکہ لڑائی کی وجہ سے
پیداوار نہایت ابتر ہو گئی تھی۔ بلکہ اس نے کلات کی ہندو حرفت کو بھی مات کر دیا۔
کسی قدر ناقص طور پر اسکے منافع کا تخمینہ اسکو قرضہ کی زیادتی سے کیا جا سکتا ہے
جو سچپٹ شمار ہونی چاہیئے۔ ۱۷۵۶ء میں جب کلائیو ہندوستان میں گیا۔ قومی
قرضہ ۷۴۵۷۵۰۰۰ پونڈ تھا۔ جس پر ۲۷۵۳۰۰۰ پونڈ سود دیا جاتا تھا۔
۱۸۱۵ء میں یہ قرضہ ۸۶۱۰۰۰۰۰۰ پونڈ تک پہنچ گیا۔ جس پر سالانہ سود
۳۲۶۴۵۰۰۰ پونڈ دینا پڑتا تھا۔ ۱۷۶۱ء میں ڈیوک آف برج واٹر نے پہلی
نہر جو بعد ازاں انلنڈ نیویگیشن کی ختم کی اور اس پر پانچ کروڑ پونڈ صرف ہوئے۔
جو ہفت سالہ جنگ کے آغاز میں تمام قومی قرضہ کی دو تہائی تھا
اس عرصہ میں سٹیم بھی جاری ہو گئی۔ فیکٹریاں بنائی گئیں۔ محصول لینے کے لیئے
پھاٹک تعمیر کیئے گئے۔ پل بنائے گئے۔ اور یہ سب کچھ قرض کے طریقہ سے کیا گیا
جو طریقہ تمام ملک میں رائج ہو گیا تھا۔ کمپنی سوسائٹیوں میں اعتبار پر قرضہ محنت
کی پسندیدہ کاری ہے۔ اور جونہیں لنڈن میں اسکی بنا رکھنے کے لیئے کافی خزانہ
ہو گیا۔ وہیں وہ حیرت انگیز تیزی کے ساتھ آگے بڑھا۔

۱۶۹۴ء سے پلاسی تک اس طریقہ کی رفتار نسبتاً بڑی دھیمی رہی۔ کیونکہ
بنک آف انگلینڈ کی بنا رکھے جانے سے ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ تک بنک کا
چھوٹے سے چھوٹا نوٹ ۲۰ پونڈ کا ہوتا تھا۔ جو زیادہ رائج نہیں ہو سکتا تھا۔ اور
غالباً لمبرڈ سٹریٹ سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ لیکن ۱۷۹۰ء میں برک نے
لکھتے ہوئے بیان کیا ہے۔ کہ جب وہ ۱۷۵۰ء میں انگلینڈ میں آیا۔ اسوقت ساہوکاران
کی ۱۲ دکانیں بھی مضافات میں موجود نہ تھیں۔ لیکن اب اس کے قول کے بموجب قریباً
ہر ایک تجارتی قصبہ میں پائی جاتی ہیں۔ پس بنگال کی چاندی کی آمد سے نہ صرف

دولت کا حجم ہی بڑھ گیا۔ بلکہ اسکی تحریک بھی منضبط ہو گئی۔ کیونکہ سنہ ۱۷۵۹ء میں بنک نے دفعتہً دس پونڈ اور پندرہ پونڈ کے نوٹ جاری کر دیئے۔ اور بنک میں پرائیویٹ کوٹھی واروں نے کاغذ کا پیلا سب چھوڑ دیا۔ (تہذیب اور زوال کا قانون صفحہ ۲۶۳-۲۶۴ تک)

پس انگلینڈ کی بے حد دولتمندی کی اصلیت ہندوستان کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ اور یہ دولت اٹھارہویں صدی کے وسط سے آج تک اسی چشمہ سے در پردہ زیادہ تر نکالی جا رہی ہے۔ "بلاشبہ جب سے دنیا شروع ہوئی ہے کسی راس المال سے اتنا منافع حاصل نہیں ہوا۔ جتنا کہ ہندوستانی لوٹ سے"۔

مگر شرقی ہند سے جو دولت اس طرح حاصل کی گئی۔ اسکی مقدار کتنی تھی؟ کوئی شخص اس کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اور نہ ہی صحیح طور پر لکھ سکتا ہے۔ کہ کتنی دولت ہندوستان سے برآمد کیگئی ہے۔ بعض تخمینے مختلف طور پر کئے گئے ہیں۔ جو پچاس کروڑ پونڈ سے ایک ارب پونڈ تک پہنچتے ہیں۔ غالباً یہاں سی سے لیکر ڈاکٹر لوئی تک آخر الذکر رقم ہندوستانی دفینوں سے نکل کر انگریزی بنکوں میں چلی گئی۔ اس باب کے تتمہ میں بعض تفصیلیں فرداً فرداً تغلب کی جسکا اسوقت یہی نام رکھا گیا۔ پائی جائیں گی۔ اس سے وہ اندازہ معلوم ہو جائیگا جس کے مطابق ہر ایک انگریز نے ہندوستان سے دولت اکٹھی کی۔ موجودہ انگلینڈ ہندوستان کی دولت سے بڑا بنگیا ہے۔ جو دولت خود ہندوستانیوں نے نہیں دی۔ بلکہ زور آور کے ہنر اور طاقت سے لی گئی ہے۔ اٹھارہویں اور بیسویں صدیوں میں صرف اتنا ہی تھوڑا سا فرق ہے کہ اب بہت زیادہ مقدار میں دولت لیجاتی ہے۔ مگر قانون کے مطابق۔ انگریزی راس المال منافع پر لگا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ انگریزی اشیا خریدی جاتی ہیں۔ اور اس لئے جو شخص خریدتا ہے۔ اُس کو قیمت ادا کرنی ضروری ہے مزید براں ملک کی خدمات ادا کیجاتی ہیں۔ اور ان کی تنخواہ بھی وصول ہونی ضروری ہے۔

"کیا خود ہندوستان میں ہندوستانیوں میں سے آپ کو ملازم نہیں مل سکتے تھے؟"

"ہم نے کبھی اسباب کا امتحان نہیں کیا۔ اور نہ ہی کرنا چاہتے ہیں" ظاہراً تو ہر ایک بات سیدھی سادہ ہے۔ مگر انڈیا نے کبھی نہیں کہا کہ اُسے ان باتوں کی ضرورت ہے۔ بلاشبہ۔ اسکی رائے اس معاملہ میں گو وہ روپیہ بھرتا ہے۔ کوئی نہیں سنتا اور نہ ہی کوئی سننے کی تکلیف گوارا کرتا ہے۔

یہاں اور وہاں انڈیا نے ہم کو امداد دی ہے
مگر ہم نے ہندوستان کے لئے کیا کیا ہے؟

انگلینڈ اور ہندوستان کا مقابلہ
بلحاظ آبادی و آمدنی
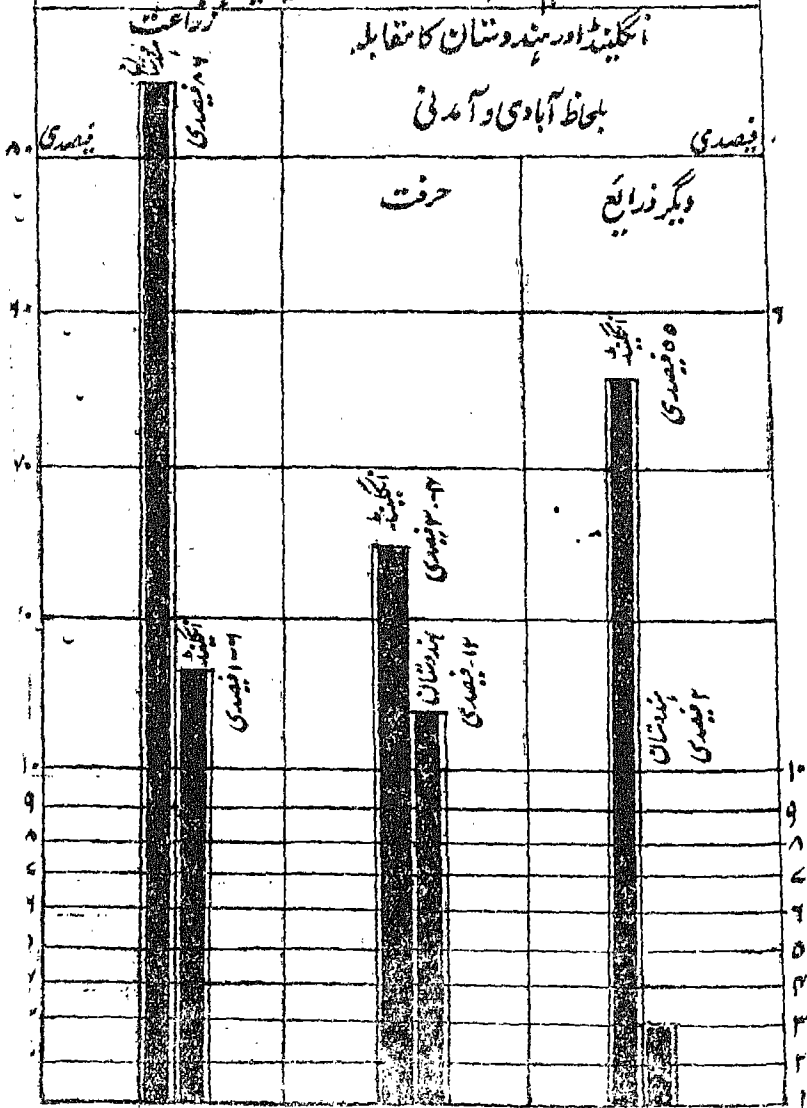
آخر کے صفحوں سے معلوم ہو جائیگا۔ کہ انگریزی تعلق سے ہندوستان کو کیا فائدہ پہنچا ہے اور کیا نقصان۔ مگر اس نتیجہ کے رو سے جو اتنا جلی اور واضح ہماری آنکھوں کے سامنے لکھا ہوا ہے ہمیں ہمیشہ کے لیئے اس دقیانوسی اخلاق کو دور پھینک دینا چاہیئے۔ جو ہمیں یہ سکھاتا تھا۔ کہ بری طرح سے کمائی ہوئی دولت کبھی با برکت اور سر سبز نہیں ہو سکتی۔" انگلینڈ نے ہندوستانی روپیہ کے تصرف سے کل انیسویں صدی میں اقوام دنیا کے سامنے عروج حاصل کیا۔ اگر اس پر لحاظ کیا جائے۔ تو اسباب میں آئندہ کے لیے کوئی شک شبہ نہیں رہتا۔ کہ بدی کو نیکی نکلتی ہے۔" اور نہ ہی اس نتیجہ میں کوئی شک ہو سکتا ہے۔ کہ بدی کرو تاکہ اس سے نیکی پیدا ہو۔" کچھ روپیہ سے جو اسطرح حاصل کیا گیا۔ انگلینڈ نے ہندوستان کی قدیم دستکاری کو مار ڈالا۔ اور تمام صدی کے عرصہ میں کچھ بھی نہیں کیا۔ جس سے ہندوستان مختلف دستکاریوں کا ملک بنے رہنے کے قابل رہتا۔

ایک انگریز کے لیئے ایسے سخت اور مکروہ الفاظ لکھنا نہایت مشکل ہے۔ مگر لکھنے سے چارہ نہیں۔ تاکہ جتنا نقصان ہندوستان کو اور زیادہ گہرے معنوں میں انگلینڈ کو پہنچا ہے۔ اسکی بخوبی سمجھ آ جائے۔ اس سمجھ کے ساتھ نقصان کا علاج بھی ذہن میں آ سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ آئے اور اغلب ہے کہ نہ آئے۔

انگلینڈ کی فتح جب تجارت سے کمال کو پہنچ گئی۔ اور ہندوستان اپنے فاتح کے قدموں میں سرنگوں پڑ گیا۔ تو ایک قدم آگے بڑھنے کا وقت آیا۔ کس طرح اس (نئے) (مگر قدیم) ملک جسکے ابتدائی قدیم زمانوں کے علم سے بہرہ ور تھے جس کے باشندے روحانیت اور اخلاق میں مغرب سے اعلےٰ نہیں تو اس کے برابر ضرور تھے۔ حکمرانی کیجائے؟ کیا اس کے باشندے برٹش شہری یا برٹش غلام بنائے جائیں؟ نتیجہ پر پہنچنے میں کچھ زیادہ دیر نہ لگی۔ جو یہ تھا۔ کہ جن لوگوں نے ایسی آسانی سے اپنے آپ کو لٹا دیا ہے جو باوجود اسکو ماہ کی نیز عقل رکھنے کے سوداگر کے زیادہ چالاک دل سے دھوکا کھا گئے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے اور کیا ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ انہیں ہمیشہ مغلوب رکھا جائے؟

(۲) تسلط بذریعہ اطاعت بالجبر

ہندوستان۔ پہلے ہندوستان اور پھر انگلینڈ کے لئے نہیں
بلکہ ہندوستان۔ اوّل اور آخر تک انگلینڈ کے لئے

سنہ ۱۷۸۶ء — سنہ ۱۸۴۳ء

سنہ ۱۷۸۶ء میں جب لارڈ کارنوالس ہندوستان میں گورنر جنرل مقرر ہوکر آیا۔ تو پہلی دفعہ ان اصولوں کے متعلق ضمیر کی اصل جھلک دکھا دی۔ جنکے مطابق نئی حاصل شدہ ریاستوں پر حکمرانی کی جانی چاہیئے تھی۔ یہ سچ ہے کہ فلپ فرانسس نے کچھ قبل[1] انتکار کئے تھے۔ مگر وہ ہر دلعزیز نہ تھا۔ اور اس لئے اس کی رائے کی کچھ پروا نہ کی گئی۔ ہمارے لئے صاف ظاہر تھا۔ کہ ہندوستانی معاملات حکومت میں ہم ہندوستانیوں کو اپنے ساتھ شامل کرتے۔ اس بات کو تسلیم کرکے کہ وہ اپنے ملک کی حکومتی پیچیدگیوں میں کسقدر زیادہ اور ہم کس قدر کم واقف تھے۔ ایک عام سمجھ کا آدمی بھی یہی رویہ اختیار کرتا۔ اب زمانہ نے ثابت کردکھایا ہے۔ کہ اس قسم کا رویہ اگر اختیار کیا جاتا۔ تو وہ بڑا ہی شریفانہ ہوتا۔ اور ساتھ ہی یہ نہایت فایدہ مند امن پالیسی کی ثابت ہوتی۔

ہندوستان کے باشندوں کے دلوں میں یا کوئی روحانی تبدیلی آگئی تھی اور یا کوئی روحانی طاقت کام کر رہی تھی۔ کہ ایسا وقت آگیا۔ جبکہ کسی غیر حکومت کو منظور کرلیا گیا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت وہ ایسا چاہتے تھے گو زبان سے نہیں کہتے۔ عجیب بات یہ ہے کہ تمام جنگی اقوام اور امن پسند لوگوں پر یہ بات

---

[1] مسٹر میریڈتھ ٹون سنڈ (ایشیا۔ یورپ۔ آرچی بالڈ کنسٹیبل) اپنے باب میں "کیا انگلینڈ ہندوستان کو رکھ سکے گا؟" اس کو مجموعہ خیال کی طاقت کی کمی قرار دیتا ہے وہ مدعی ہے کہ فرنچ عالم علم اقوام کونٹ ڈی گوبی نو نے تفصیل کے ساتھ اسکی رائے کی تائید اور وضاحت کی ہے اس مضمون پر الگ بحث ہونی چاہیئے۔ مگر اتنا میں یہاں کہے دیتا ہوں۔ کہ مذکورہ بالا فقرہ میرے خیال میں اس بات کو واضح اور پورے طور پر بیان نہیں کرتا جس نے اس زمانہ میں دس ہزار ہندوستانیوں کو خاموشی کے ساتھ ایک انگریز کی حکومت تسلیم کرا دی ہے۔

یکساں صادق آتی تھی۔ ہندو اور مسلمان۔ بنگالی۔ مدراسی۔ مرہٹہ۔ سکھ سب نے ایک وقت تک غیر حکومت کی مزاحمت کی۔ اور بڑی خونخواری سے لڑے۔ مگر شکست کھا جانے پر ان سب نے ہزیمت تسلیم کر لی۔ اور غیر آقا کی حکومت کو خوشی کے ساتھ منظور کر لیا۔ تاریخ میں کوئی نظیر ایسی عجیب نہیں ملتی۔ کہ ایک قوم نے دوسری قوم کے تمام معاملات ذہنی اور جسمانی پر یکساں تسلط پیدا کر لیا ہو۔ انگریزی خیال کے لیڈروں کو معاف کیا جا سکتا ہے کہ اس دور زمانہ میں انہوں نے مستقبل کے ممکنات کو نہ دیکھا۔ وہ یہ کہتے تھے "کیا ہندوستان کے باشندوں کو ہم اپنے برابر سمجھیں۔ یہ ایسا ہو نہیں سکتا"۔ اگر ہم انہیں اپنے ساتھ کام میں برابر حصہ دیں۔ اگر ہم انہیں علم اور تجربہ حاصل کرنے کے لئے ایسی ہی سہولتیں دیں۔ جیسی ہم کو حاصل ہیں۔ تو وہ انہیں ہم سے آزاد ہونے میں استعمال کرینگے"۔

مگر ایسا نہیں ہوا۔ کبھی قومی بغاوت انگریزی حکومت کے خلاف نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی میرے خیال میں کبھی ہوگی۔ ۱۸۵۷ء میں سپاہیوں کی بغاوت اٹھی تھی مگر لوگوں نے کبھی بغاوت نہیں کی۔ اور اگر سپاہیوں کے ساتھ بدقسمتی سے جس طریقہ کا ہم نے برتاؤ کیا۔ اس سے کوئی اور کرتے۔ اور ماتحت ریاستوں کے ساتھ ہماری بدعہدی ظہور نہ پکڑتی۔ تو یہ سپاہیوں کی بغاوت بھی ہرگز نہ ہوتی۔ انگلینڈ نے جب ہندوستان پر تسلط حاصل کیا۔ تو اس کو سنہری موقعہ ہندوستان کو دولتمند بنانے اور اپنے آپکو بھی خوشحال کرنیکا ہاتھ آیا تھا۔ مگر اس نے اس کو پھینک دیا جان بوجھکر پھینک دیا۔ اس وقت بھی دانا آدمی بکثرت موجود تھے۔ جو اُسے صحیح راستہ بتا سکتے تھے۔ پھر بھی غلط راستہ اختیار کیا گیا۔ ہم جلیس نہیں۔ بلکہ ماتحت۔ نہ ہی اپنے ملک میں حکمران یا سردار کہ انکی جائز ہوس پوری ہو سکتی یا طبعی اور قومی طاقتوں کے لئے کوئی میدان انہیں ملتا ہندوستانیوں کے لئے یہ چیزیں نہیں بنی تھیں۔ انکی قسمت کا خواہ وہ کسی مذہب یا ذات کے ہوں فیصلہ ہو چکا تھا اور اپنے گھر میں اپنے ہمجنسوں کے درمیان لکڑی کاٹنے والے اور پانی بھرنے والے بنگئے"۔ اور سرکاری ملازمت ہی انکو وہ دیگئی جو غریب سے غریب انگریز بھی قبول نہیں کر سکتا تھا۔ یہ فیصلہ ہندوستان اور انگلینڈ دونوں کے لئے مہلک

تھا۔ مگر یہ جان بوجھکر کیا گیا۔ مغلوب کتے نے ہار کر اُسے منظور کر لیا۔ اور جوں جوں کہ غالب کتے کا مزاج خوش پایا نا خوش ہوتا رہا۔ اس کے مطابق اسمیں کچھ کچھ تبدیلی ہوتی رہی۔ شاید کسی جگہ بھی ہندوستانیوں کو قبضہ میں رکھنے کی پالیسی کو اس سے زیادہ صفائی اور زور کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا جیسا کہ مدراس کے ایک منظور نظر سویلین مسٹر ولیم تھیکرے نے ایک سرکاری دستاویز میں لکھا ہے جس وقت لارڈ ولیم بنٹاک (اگست ۱۸۰۳ء سے ستمبر ۱۸۰۷ء تک) مدراس کا گورنر تھا تو مسٹر تھیکرے اس پریزیڈنسی کے بورڈ آف ریونیو کا ممبر تھا۔ وہ بورڈ ابھی تک جنیا جاگتا ہے۔ معرکہ یہ پیش آتا۔ کہ آیا رعیتانہ طریقہ کا جسمیں سرکاری مالیہ میعادی مقرر کیا جاتا ہے۔ بند و بست کیا جائے۔ یا جیسے کہ لارڈ کارنواس نے بنگال میں مقرر کیا ہے۔ مالکان اراضی اور استمراری بند و بست کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ گورنر رعیتانہ طریق کا بڑا حامی تھا۔ اور ریونیو بورڈ نمبر اس سے بھی زیادہ اس کا طرفدار تھا بہت سی تحقیقاتوں کے عرصہ میں اور بڑے ضخیم مباحثوں میں جو شاندار خلاصوں کی دلپسند ہندوستانی صورت میں کئے گئے۔ جن میں سے ایک ایک کی ضخامت دو دو سو صفحہ کی تھی۔ ہندوستانی مغلوبیت اور برٹش غلبہ کے بنیادی اصول کامل طور پر رکھ دیئے گئے۔ شاید کبھی غیر حکمرانوں کی بیرحمی اور تندی اپنے ماتحت رعایا کے ساتھ اس سے زیادہ ننگے اور درشت طور پر ظاہر نہیں کی گئی۔ جو کچھ انگریزی عظمت کے لیئے ان کے اپنے ملک میں اور جو دیگر قوموں کے لئے اپنے اپنے ملک میں ضروری ہے۔ اس سے جان بوجھکر ہندوستانیوں کو اُن کے اپنے ملک میں محروم رکھا گیا محض لفاظی اور درشت خوئی سے جو اس قول کو جھٹلاتے ہیں۔ کہ نئی فاتحوں کا اصل منشا صرف باشندوں کی آسایش تھا۔ کروڑ ہا باشندے کم از کم ایک صدی کے لیئے اور شاید ہمیشہ کے لئے کیونکہ یہ دینا ریست کی ہے نہ کہ نرم خوئی۔ جابر کی ہے نہ کہ زاہد کی

لہ مسٹر تھیکرے گو اچھی طرح جانتا ہے۔ کہ معاملہ اراضی کا اصول اصلی پیداوار کے ہونے پر بالتمام منحصر ہے۔ مگر اس نے مندرجہ ذیل درشت اور عمل میں نہایت ہی سخت بیرحمانہ حکم لکھا ہے کہا جا سکتا ہے۔ کہ رعیت واری بند و بست میں مالیہ کی وصولی محفوظ نہ ہوگی۔ لیکن اگر رعیت کو

بلا کسی لحاظ کے صاف الفاظ میں مغلوب کر دیئے گئے۔ مسٹر تھیکرے کے فقرے جو ان سندات کے برابر ہیں۔ جنہیں ہر ایک مہذب باشندوں کے حقوق مندرج ہوتے ہیں۔ وہ فقرے جنہوں نے پارلیمنٹ کے ایکٹ جو بعد ازاں پاس ہوئے منسوخ کر دیئے۔ اور نیز ملکہ قیصرہ کا اشتہار ۱۸۵۸ء کو بھی بے اثر کر دکھلایا۔ اس قابل ہیں کہ انہیں یہاں پورا نقل کیا جائے۔ بحث بڑی دلچسپ ہے۔ اور اس لئے مجملاً اسے درج نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ بحث اپنے "قابل لازمی نتائج کا اس قدر پھل لائی ہے۔ کہ اس کو حرف بحرف بیسویں صدی کے لٹریچر میں از سر نو شامل کرنا چاہیئے۔

مسٹر تھیکرے جو ریونیو بورڈ مدارس کا ممبر تھا، ایک ٹیلے مورا جہ کو۔ بادون رعیت [1] فرض کر کے "بالکا نہ حزیرہ" کے خلاف نہایت زور سے بحث کرتے ہوئے حسب ذیل لکھتا ہے۔

اس لئے حالت کی یہ خاصیت متعلقہ ارضی دولت۔ اور زمین کی یہ عام تقسیم کسانوں میں۔ اگر زرعی ترقی کے زیادہ تر مناسب حال نہیں ہے۔ تو جائیداد۔ رسوم اور آئین کی حالت کے بالکل مناسب ہے جو ہندوستان میں رائج ہیں۔ اور یہ ملک کی حالت کے اور بھی مناسب حال پائی جائے گی۔ جہاں حکمران صرف معدودے چند ہیں اور جہاں غرور۔ بلند خیالات اور جاہ جو حوصلہ کو دبا دینا ضروری ہے۔ یہ نہایت درست ہے کہ انگلینڈ میں زمین کی پیداوار کا معقول حصہ فارغ البال خاندانوں کی پرورش کے لئے وقف کیا جائے۔" تاکہ ان میں سے ملک کی خدمت اور حفاظت

[1] انہیں صفحوں کے آخر میں یہ نظر آئیگا۔ کہ ایک سیکرٹری آف سٹیٹ ایک کونسلہ ایک سویلین۔ ایک فوجی پنشنر رعیت کی آمدنی کے متعلق کیا فرض کرتا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۷۔ ایسی بنا پر رکھدیا ہے۔ کہ انکی اراضی فروخت ہو سکیں۔ اور یہ کہ خواہ وہ زمین کاشت کریں یا نہ کریں۔ مگر انہیں مالیہ ضرور ادا کرنا ہوگا۔ تو مالیہ بالکل محفوظ ہو جائیگا۔"

سکے لیئے مدبر دانش ور اور ہیرو پیدا ہوں - یا یوں کہو - کہ مالیہ کا زیادہ حصہ
ان تونگر شرفا اور امرا کو دیا جائے - جو ملک کی خدمت - پارلیمنٹ میں - بری اور
بحری فوج میں - اور علمی اور دیگر لبرل پیشوں کے محکمجات میں کریں - اس مالیہ
کی بدولت جو فرصت خود مختاری - اور اعلیٰ خیالات انہیں حاصل ہیں - ان سے وہ
برطانیہ کو شوکت کے مینار پر پہنچا دینے کے قابل ہوئے ہیں - خدا کرے وہ مدت تک
پھولتے پھلتے رہیں - مگر ہندوستان میں وہ مغرور سپرٹ - آزادی - اور گہرا خیال جو
کثرت دولت حاصل ہونے سے پیدا ہوتے ہیں - ضرور دبا دینے چاہئیں - وہ ہماری
طاقت اور فائدہ کے براہ راست منافی ہیں - انسان کی طبع اور تمام حکومتوں کے
گذشتہ تجربہ کے رو سے یہ بالکل غیر ضروری ہے - کہ اس مضمون کو زیادہ طول
دیا جائے - ہم کو یہاں جنیلوں مدبروں اور واضعان قانون کی ضرورت نہیں ہے
بلکہ ہم کو محنتی کسان درکار ہیں - اگر ہم کو شوخ بیقرار اور جاہ طلب روحوں کی ضرورت
ہے تو بالا بار میں اتنے موجود ہیں - جو سارے جزیرہ نما کے لیئے کافی ہو سکتے
ہیں - یہ لوگ اگر زیادہ برے نہیں تو کم از کم بار خاطر ضرور ہیں - وہ کبھی
اچھا کام نہیں کر سکتے - اور ہر حالت میں مفسد بہت کر جاتے ہیں - مگر اس کے برابر
پبلک کی خدمت مطلق ادا نہیں کرتے - اس لیئے ہمیں یہ روحیں اور زیادہ نہیں
پیدا کرنی چاہیئے - گو ہم مجبور ہیں - کہ موجودہ کی پرورش کریں - اس لیئے پولیٹیکل طور
پر غور کر کے چھوٹے مالکوں کے درمیان زمین کی تقسیم جو آسانی کے ساتھ گورنمنٹ کے
خلاف متحد نہیں ہو سکتے - نہایت ہی ضروری منشا ہے - طاقت اور سرپرستی
اور سرکاری معاملہ کی وصولی ہمیشہ زمینداروں کو گورنمنٹ کی فوجی طاقت اور نام کے
مطابق کم و بیش بیتاب بنائے رکھے گی اس بات کی پیش بندی کرنا نہایت مشکل ہے - کہ
چند سال بعد کیا پیش آجاوے - اور ہمارے لیئے لازمی ہے - کہ ہم اس قدر طاقت اور
اقتدار اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں - جس قدر کہ لوگوں کے حقوق کی حفاظت کے لیئے ضروری
ہے - اگر ہم معاملہ کی وصولی اپنے ہاتھ میں رکھیں گے - تو ہم کو لوگوں کے ساتھ راہ
رسم اور قریب تر تعلق رکھنے کا بڑا موقعہ ملے گا - ہمیں اپنے ہاتھ واقفیت حاصل کرنے
وسیلے رکھنے چاہئیں جس ایک ہی علم سے ملک کے ذرائع آمدنی معلوم ہو سکتے ہیں - یہ

پالیسی تاثیر کے ساتھ کام کرے گی۔ اور شاید مالکوں کی جماعت اپنی مفبوضات میں محفوظ ہوجائیگی۔

ہمارا پہلا منشاء ہندوستان پر حکومت کرنا ہے۔ اور پھر اس پر اچھی طرح حکومت کرنا۔ اور ان صوبجات میں معلوم ہوجائیگا۔ کہ یہ دونوں منشاء یعنی مضبوط گورنمنٹ اور پرائیویٹ حقوق کی حفاظت حاصل ہو سکتے ہیں اگر وہ بندوبست کیا گیا۔ جو ہیں نے تجویز کیا ہے۔ (صفحہ ۹۹۰۔ ۹۹۱ ضمیمہ پانچویں رپورٹ سلکٹ کمیٹی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی ۱۸۱۲ء)"

یہ نہایت درست ہے کہ انگلینڈ میں زمین کی پیداوار کا معقول حصہ بعض فارغ البال خاندانوں کی پرورش کے لئے وقف کیا جائے۔ تاکہ ان میں سے ملک کی خدمت اور حفاظت کے لئے مدبر۔ دانشور۔ اور ہیرو پیدا ہوں"

اور انڈیا میں؟ کیا انڈین۔ انسان نہیں ہیں؟ چند نہایت حقیر لوگوں کی رائے میں وہ انسان ہونگے۔ لیکن بقول مسٹر تھیکرے اگر وہ انسان ہیں۔ تو وہ ہم سے جدا قسم کے ہیں۔ اور اس طبقۂ انسانیت سے بالکل نیچے ہیں۔ جس طبقہ کے انگریز ممبر ہیں۔

..... مگر انڈیا میں مغرور روح۔ آزادی۔ اور گہرا خیال جو زیادہ دولتمندی سے پیدا ہوتے ہیں۔

"ضرور دبا دینے چاہئیں"۔

"ہم کو جرنیلوں۔ مدبروں اور واضعان قانون کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ہم کو محنتی کسان درکار ہیں۔"

اس سے عیاں ہے۔ کہ ہندوستانی کی انگریزوں کی طرح نہ آنکھیں ہیں۔ نہ ہاتھ نہ عضو نہ قد۔ نہ حواس۔ نہ رقت نہ جذبات۔ اور نہ انگریزوں کیطرح وہ اسی خوراک سے پلتا ہے۔ اسی ہتھیار سے زخمی ہوتا ہے۔ اسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے۔ اسی علاج سے چنگا ہوتا ہے۔ اسی گرما اور سرما سے گرم اور سرد ہوتا ہے۔ اگر ہم ہندوستانیوں کو نشتر چبھوئیں۔ تو اُن سے خون نہیں نکلتا۔ کم از کم ایسا تو نہیں نکلتا۔ جیسے کہ انگریزوں سے نکلتا ہے۔ قحط بخار اور وبا سے انہیں اتنا

دکھ نہیں ہوتا جتنا کہ اوروں کو۔ وہ انسانی بنگلہ کھیت کے مالک ہیں۔ جو نہایت غور وخوض سے اس حالت میں آراستہ کرکے رکھا گیا ہے۔

مسٹر تھیکرے کا کوئی عذر نہیں۔ لارڈ ولیم بنٹنک کا بھی جس نے خاص مطلب کے لئے اپنے ہم خیال مسٹر تھیکرے کو اپنا موچھ کا بال منتخب کیا۔ کوئی عذر نہیں ہوسکتا یہ بات نہیں کہ وہ خیال کرتے تھے۔ کہ ہندوستانی اعلیٰ عقلی عظمت تک پہنچنے اور شریفانہ اوصاف بڑھانے اور ظاہر کرنے کے ناقابل تھے۔ اسی رپورٹ میں مسٹر تھیکری نے لکھا ہے۔

"یہ ظاہر کرنا یہاں بالکل بے جا ہوگا۔ کہ گرم ممالک کے باشندے۔ فاتح۔ دانشور اور مدبر ہوتے رہے ہیں۔"[1]

اگر ایسے صاف اور علانیہ فیکٹ پر ریمارک کرنا بیجا ہے۔ تو وہ کونسا لفظ مناسب

[1] اس تحریر سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مسٹر تھیکرے کو ہندوستان میں اچھے خواص بھی دکھائی دیئے۔ چنانچہ اس نے لکھا۔ چھوٹے مالکوں میں زمین کی تمام تقسیم سے لوگوں کو بڑی خوشی حاصل ہوگی۔ میں نے خوشی کا اس لئے استعمال کیا ہے۔ کہ یہ ہمارا فرض ہے کہ حلیم۔ محنتی قوم کی خوشی کا خیال کریں جنہیں پروردگار نے ہمارے ماتحت رکھدیا ہے پیشتر اس کے کہ ہم مالیہ اور دیگر اغراض کا خیال کریں۔ گھر کی خوشی۔ آزادی اور دیہاتی زندگی کا لطف جو صرف ارضی جائیداد کی تقسیم ہی خلقت کو بخشتی سکتی ہے۔ اس طریقہ کو ہر ایک طریقہ سے اعلیٰ بنا دیتی ہیں۔ بعض لوگ سمی اٹوپیا (خیالی جزیرہ جسمیں انتظام حکومت نہایت مکمل ہے) سمجھیں گے۔ مگر میرے خیال میں گورنمنٹ کو ضرور یہ خوشکن طریقہ دیگر صوبوں میں رائج کرنا چاہیئے۔ اس ملک کے لوگوں میں یہ خصوصیت ہے۔ کہ چھوٹے چھوٹے مالک ہونے سے بڑے پھلتے پھولتے ہیں۔ ان کے تمام رسوم۔ خیالات اور خوبیاں اس قسم کی زندگی کے مناسب حال ہیں۔ اور اسمیں وہ ضرور کامیاب ہونگے۔ کوئی باشندے اپنے گھر۔ زمین۔ اپنی جگہ۔ اپنے عیال۔ اور ہم چشموں میں اپنی شہرت۔ اپنے آبائی پیشے اور زراعتی کسب کے اتنے مشتاق نہیں ہیں۔ جتنے کہ ہندوستانی۔ اگر انہیں اپنی محنت کے دکھلانے کا میدان ملتا۔ جو ان کے جذبات سے پیدا ہوتی ہے۔ تو اس عظیم الشان ملک کی کچھ اور شکل ہوتی تمام محنتی اور بعض نسبتوں میں کنجوس ہے۔ مگر کاشت کی محنت اور ہنرمندی ظاہر

محال ہوسکتا ہے۔ جس سے بیان ہوسکے۔ کہ کس قدر ہشیاری کے ساتھ ایسے مسلمہ قابل لوگوں کے ترقی پر پہنچنے کا دروازہ بند کرنے کا انتظام کیا گیا؟ ایک دفعہ جو یہ دروازہ بند کیا گیا۔ پھر نہایت حفاظت کے ساتھ اُسے قفل لگا دیا گیا ایک چھوٹا سا دروازہ اب کھولا گیا ہے جس میں سے چند ایک ہندوستانیوں کو عزت اور حشمت کے مدارج تک پہنچنے کی اجازت دیگئی ہے۔ مگر بڑا دروازہ ابھی تک بند ہے۔ جو بڑی سد راہ ہے۔ کوئی ہندوستانی اگر درخواست نہ کرے۔

جس بات پر مسٹر تھیکری نے زور دیا۔ قریباً ہر ایک وائسرائے ہر ایک گورنر ہر ایک لفٹنٹ گورنر ہر ایک چیف کمشنر نے اپنے اپنے ماتحتوں کی امداد سے اس کو اور بھی مضبوط اور پختہ کر دیا۔ ایسا کرنے سے انہوں نے ہندوستان کو جہانتک کہ دیسی باشندوں کا تعلق ہے۔ قومی۔ ذہنی۔ اور سوشل ذلت کی موجودہ حالت پر پہنچا دیا۔ پارلیمنٹ کا ایک ایکٹ یکساں سلوک کے بڑے اونچے الفاظ کے ساتھ جو الفاظ میگنا چارٹا کی طاقت کے ہیں۔ اس انجیل کے سامنے بالکل ردی کاغذ ہے جسکی منادی تھیکرے نے ۱۸۵۳ء میں اور جیمس مل نے بے شرمی کے ساتھ سن ۱۸۳۱ء میں تکرار کی۔ اس بات پر باور نہیں آتا کہ جیمس مل جیسا آدمی جس کو عقلی اور پولیٹکل فوائد حاصل تھے۔ بعد غور و خوض کرنے کے اس بات

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۱۔ ورثہ میں ملی ہے۔ ہم بعض دفعہ خصوصاً وہ جو اُن سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں۔ دیسیوں سے نفرت کرتے ہیں۔ لیکن اگر انکی چال چلن سے ہماری نفرت مطلق العنان حکومت کا تقاضا کرتی ہے تو وہ درحقیقت قابل رحم ہیں۔ لیکن بلحاظ اس کے کہ وہ کاشت کرنے کے کام میں جو انسان کا ابتدائی کام ہے ہزارہا سال سے ماہر اور کامل چلے آئے ہیں۔ وہ بڑے معزز ہیں۔ چند صدیاں گذری ہیں کہ انگلینڈ کے کسان اور اب بھی یورپ کے کئی حصوں میں کسان اپنے مغرور آقاؤں اور مالکان زمین سے نہایت ادنیٰ درجہ پر سمجھے جاتے ہیں۔ جو انکی کاہلی۔ جہالت اور وحشت پر اسلئے زور دیتے تھے۔ کہ انہیں اپنا غلام بنائے رکھیں۔ بعض بڑے فلاسفر ویسی طبعی کاہلی ان سے منسوب کی ہے۔ جو کسی ترغیب سے بھی متحرک نہیں ہوسکتی۔ نیز ذہنی اور جسمانی طاقت کی کمی جس نے انہیں گرم ملکوں کے لوگوں کی غلامی کے ہی لائق بنایا۔ (صفحہ ۹۹ ضمیمہ

پرزور دے۔ کہ ہندوستان کے باشندوں کو مغلوب رکھا جائے۔ اور یہ دلیل پیش کرے کہ ان کے لئے مغلوب رہنا ہی بہتر ہے۔ مگر اس نے ایسا کیا۔ اور کیا ابھی اس سینہ زوری کے ساتھ ہچکچانے چبڑے الفاظ اور الفاظ بازی کے دلوں میں وحشیانہ دکھائی دیتی ہے۔ اینگلو انڈین اور برٹش لوگوں کی کثرت جو انڈیا میں کچھ دلچسپی لیتے ہیں۔ ابھی تک ویسا ہی خیال کرتے ہیں۔ جیسے کہ جیمس مل نے خیال کیا اور کہا۔ فرق صرف یہ ہے کہ مل صاف گو تھا۔ اور دوسرے حیلے باز ہیں۔ اُس نے وہی کیا جو کچھ اُس نے سمجھا۔ اور وہ دھوکا دینے والی زبان استعمال کرنے کے ماسٹر ہیں۔ ۲۵۔ اگست سنہ ۱۸۳۱ء کو ہوس آف کامنز[1] میں یہ واقعہ ہوا۔ اور جیمس مل آف انڈیا ہوس پر مندرجہ ذیل جرح کی گئی:

سوال نمبر ۱۹۳۴ء کیا اس سے ہندوستان کے باشندوں کو بڑا بھاری فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ اگر ایسا طریقہ جاری کیا جائے۔ کہ وصولی مالیہ میں دیسی۔ یوروپین سے زیادہ تعداد میں ملازم رکھے جائیں؟"

جواب۔ میرے خیال میں بڑا فائدہ یہ ہوگا۔ کہ یہ طریقہ سستا ہوگا۔ اگر رعایا کے پٹہ کی صحیح وضاحت کر دی جائے۔ اور رعایا کی ہر ایک شکایت کی چارہ جوئی کے لئے انصاف کا انتظام کافی مکمل ہو۔ تو اس وقت آپ بلا خوف وصولی معاملہ پر دنیا بھر میں سب سے زیادہ بدمعاش کو مقرر کر سکتے ہیں

سوال نمبر ۱۹۴۴ء کیا ہندوستان کے باشندے دیسیوں کے وصولی معاملہ پر لگائے جانے سے بہت بڑا فائدہ حاصل نہیں کرینگے۔ جہاں اس وقت یوروپین مقرر ہیں؟

جواب۔ اس کے متعلق ایک عام رائے ہے۔ مگر میں ظاہر کرتا ہوں کہ میں اس رائے سے متفق نہیں ہوں۔ جو یہ ہے کہ اگر دیسیوں کو سرکاری ملازمتیں

[1] ہوس آف پارلیمنٹ۔ ستر سال گذرے ہیں۔ اگست اور ستمبر کے مہینہ میں کام کرنے سے اس قدر خوف نہ کھاتے تھے۔ جس قدر کہ وہ اب کھاتے ہیں۔ یہ ضروری تحقیقات ہندوستانی معاملات میں انہی مہینوں میں کی گئی تھی"

اب سے زیادہ حصہ دیا جائے۔ تو انکی حالت بہتر ہو جائیگی۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہندوستان کے لوگوں کا اس بات سے زیادہ تعلق ہے۔ کہ گورنمنٹ کا کام اچھا اور سستا چلے۔ مگر اس بات کے ساتھ ان کا کوئی واسطہ نہیں کہ وہ کون لوگ ہیں جو یہ کام کریں۔ عام خیال یہی ظاہر کیا جاتا ہے۔ کہ ہندوستانیوں کو گورنمنٹ میں زیادہ حصہ دیکر انہیں اونچے مدارج پر پہنچانا چاہیئے۔ مگر میری رائے میں لوگوں میں یہ اعتقاد پھیلانا۔ کہ انکی ترقی کا ذریعہ صرف یہی ہے۔ کہ سرکاری ملازم بنجائیں بالکل ناپسندیدہ ہے۔ میری رائے میں لوگوں کو یہ سکھانا درست ہوگا۔ کہ وہ ترقی حاصل کرنے کے لیئے اپنے ذرائع اپنی محنت اور کفایت شعاری کیطرف دھیان لگائیں۔ ہماری ہندوستانی رعایا کو سرمایہ جمع کرنے کے وسائل بہم پہنچاؤ انہیں بطور کاشتکار۔ سوداگر اور کاریگر کے دولتمند بننے دو۔ لیکن اونکو یہ عادت نہ ڈالو۔ کہ انکو دولت اور رتبہ کے لیے سرکاری ملازمت حاصل کرنے کی سازش میں کامیاب ہونا ضروری ہے کیونکہ اس سے جو فوائد حاصل ہونگے۔ وہ تمام آبادی کے نہایت خفیف حصہ میں ہی محدود رہیں گے۔

سوال ۴۱۹۵ کیا تم یہ نہیں خیال کرتے کہ دیسی ملازمت مال کے اعلیٰ درجہ سے محروم رہنے کو اپنے اوپر دراصل ایک دھبہ سمجھتے ہیں۔؟

جواب۔ میں نہیں خیال کرتا۔ کہ وہ اس کو اس روشنی میں دیکھتے ہیں۔

سوال ۴۱۹۶ کیا تمہیں کوئی ایسا ملک معلوم ہے جس میں اس بات کا خیال نہ ہو؟

جواب۔ وہ ہندوستان کا ملک ہے جسمیں اس بات کا خیال نہیں۔

سوال ۴۱۹۷ مثلاً فرض کرو۔ کہ صرف انگریزی مال کے اعلیٰ عہدوں پر آیرلینڈ میں ملازم رکھے جائیں۔ کیا تمہارے خیال میں آئرش اس بات کو اپنے اوپر دھبہ خیال نہیں کرینگے؟

جواب۔ میرا خیال ہے کہ غیر اقوام کی ماتحتی میں رہنے کو ذلت سمجھنا صرف یورپین خیال ہے میں یقین کرتا ہوں۔ کہ ایشیا میں اسکا مطلق وجود نہیں۔

سوال ۴۱۹۸ کیا تمہارے خیال میں اگر دیسیوں کو اعلیٰ عہدوں پر مقرر

کیا جائے۔ تو دیسیوں کا چال چلن کچھ درست ہو جائیگا۔؟

جواب۔ میرا خیال ہے کہ اس قسم کا تقرر اسیارہ ہیں چنداں موثر نہوگا۔ کسی ملک کے باشندوں کے چال چلن کو اعلیٰ کرنے کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ انکی حفاظت کی جائے۔ وہ آدمی قدرتی طور پر ترقی کرتا ہے۔ جس کو کسی بات کا خوف نہ ہو۔ اور بہترین دولت آدمی کی اسکی اپنی محنت کا پھل ہے۔ جو پھل کبھی کم نہیں ہوتا۔ اگر حفاظت اچھی ہو۔

سوال ۴۱۹۹ کیا تم کبھی انڈیا میں گئے ہو۔؟

جواب۔ نہیں۔

سوال ۴۲۰۰ اور کیا تم صرف اسی بنا پر کہہ رہے ہو۔ جو کچھ تم نے سنا اور پڑھا؟

جواب۔ ہاں۔

سوال ۴۲۰۱ کیا تم کو علم ہے کہ ہندوستانیوں نے بکثرت اور معزز دستخطوں کے ساتھ یہاں درخواستیں بھیجی ہیں۔ اور بڑے زور سے شکایت کی ہے کہ ان کو سول جوڈیشل اور مال کے محکمجات سرکاری سے محروم رکھا گیا ہے۔؟

جواب۔ مجھے بخوبی علم ہے کہ اس قسم کی درخواستیں یہاں آئی ہیں۔ مگر میں فرض نہیں کرسکتا۔ کہ یہ عرضیاں ملک کی عام زبان بولتی ہیں۔

سوال ۴۲۰۲ اسکی تمہارے پاس کیا وجہ ہے۔؟

جواب۔ میں عام طور پر کہہ رہا ہوں۔ کیونکہ جو کچھ مینے ان لوگوں کی بابت پڑھا ہے۔ یا سُنا ہے۔ اس سے مینے یہ نتیجہ نکالا ہے۔

سوال ۴۲۰۳ کیا تم نے جو خط و کتابت پڑھی ہے۔ وہ ویسی ہے۔

جواب۔ نہیں۔ ویسی نہیں۔

سوال ۴۲۰۴ کیا تمہاری مراد صرف کمپنی کے ملازمان ہند کی خط و کتابت سے ہے؟

جواب۔ صرف وہی نہیں۔

سوال ۴۲۰۵ تم نے اس مضمون پر دیسیوں کی کوئی تحریر نہیں پڑھی۔؟

جواب۔ کوئی ایسی تحریر نہیں۔ جو خود انہوں نے اس مضمون پر لکھی ہو۔
سوال۔ ۱۲۰۶ کیا وہ عرضیاں جنکا اوپر حوالہ دیا گیا۔ پریزیڈنسیوں سے آئی ہیں یا باہر کے علاقوں سے؟
جواب۔ میرا خیال ہے کہ وہ صرف پریزیڈنسیوں سے آئی ہیں۔
سوال۔ ۱۲۰۷ کیا تمہارے خیال میں کسی ملک کے باشندوں کے چال چلن کی صحیح تمیز کیجا سکتی ہے بغیر اس کے کہ ذاتی طور پر واقفیت پیدا نہ کی جائے ؟
جواب۔ اگر یہ سوال میری طرف ہے۔ تو میں اس بات کا مدعی نہیں ہوں کہ مجھے ہندوستان کی چال چلن کا کامل علم حاصل ہے۔

یہ برٹش قوم کے لئے بڑے فخر کی بات ہے۔ کہ ہندوستان کے ان تاریک ایام میں بھی جبکہ اس قسم کی رائیں پھیلی ہوئی تھیں۔ بعض روشن دماغ اور بہرآور نظر آدمیوں نے اس بے انصافی اور بے تمیز ہندوستان پر حکومت کرنے کے اس طریقہ کی نادانی اور کم نظری کے خلاف ناراضگی کا اظہار کیا۔ وہ گواہ یہاں کافی ہوں گے ایک تو مدراس کا سولیلین (اس زمانہ میں جبکہ مسٹر تھیکری نے وہ کچھ لکھا۔ جو برٹش نام کی عزت کے لحاظ سے کاش نہ لکھا جاتا۔ اور جسے جہانتک الفاظ کا تعلق ہے ہر ایک نے نظرانداز کرنے کی کوشش کی) سر ٹامس منرو تھا۔ جو بعدازاں مدراس پریزیڈنسی کا گورنر مقرر ہوا۔ اور دوسرا شخص ایک پرائیٹنٹ بشپ آف انڈیا۔ رجنالڈ ہیبر تھا۔ اول الذکر کی تحریرات میں سے چند ایک اقتباس ضروری ہیں۔ جو کچھ اُس نے گذشتہ صدی کے شروع میں لکھا۔ وہ اس صدی میں پیشینگوی کے طور پر پورا ہوا ہے۔ میں نے اس سے بہت کچھ لیا ہے۔ لیکن اس سے دس گنا چھوڑ دیا ہے۔ جو اس کے برابر ہی اچھا تھا۔ وہ تمام برائی جس کی اُس نے پیشینگوی کی تھی۔ پوری ہوئی ہے۔ جب جلا دینے والی بے انصافی اس وقت آدمی کے دل میں ایسا ہی جوش پیدا کر دیتی ہے۔ جیسا کہ وہ وقعہ شریف دل مصنف کے دل میں چالیس سال گذرے ہیں۔ پیدا ہوا ہوگا۔
"جب ہم نے اصول وضع کر لئے ہیں تو دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس ذریعہ سے انہیں عمل میں لایا جاوے؟ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ جہانتک ممکن ہوسکے

یہ ذریعہ دیسی ہونا چاہئیے۔ گذشتہ سالوں میں اس مضمون کے متعلق زیادہ منصف رائیں دی گئی ہیں۔ اور اعلیٰ تنخواہوں اور زیادہ ضروری عہدوں پر دیسیوں کا تقرر منظور کر لیا گیا ہے۔ اس طریقہ میں سچی کفایت شعاری ہے کیونکہ اس سے ہم کو بہترین ملازم ملیں گے۔ اور ان کا کام بہتر ہوگا۔ یہ بات بڑے تعجب سے دیکھی جاتی ہے۔ کہ بہت سی اچھی قابلیت کے آدمیوں نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ یہ سفارش کی ہے۔ کہ جہاں تک ممکن ہو سکے۔ دیسیوں کے بجائے یورپین ملازم بھرتی کئے جائیں۔ میری رائے یہ ہے کہ اس سے نہ صرف اہل ملک کی حالت بدتر سے بدتر ہو جائے گی۔ بلکہ ہماری گورنمنٹ بھی زیادہ زیادہ ناقص ہوتی جائیگی۔ ہماری حکومت اس ملک میں قائم رکھنے کے لیئے ضروری ہے کہ تمام اعلےٰ سے اعلےٰ عہدے سول اور فوجی یورپین لوگوں سے پُر کئے جائیں۔ لیکن وہ تمام عہدے جو ہماری حکومت کو خطرہ پہنچنے کے بغیر دیسیوں کو دیئے جا سکتے ہیں۔ دیئے جائیں۔ ہم ضدی سمجھے جائیں گے۔ اگر ہم یہ خیال کر لیں۔ کہ ہم اپنی محدود تعداد کے ساتھ ایک قوم کا کام کر سکتے ہیں اگر ہم اس سے دس گنے بھی زیادہ ہوتے۔ تو بھی ہم اس سے زیادہ بہتر کام کرتے۔ اس وقت قریباً ہر ایک ضروری عہدہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اگر ہم انپر بھی اتر جائیں جو ادنیٰ ہیں اور دیسیوں کے ہاتھ میں ہیں۔ تو ہم اپنے چال چلن کو بگاڑ لیں گے۔ اور کام بھی ایسا اچھا نہیں چلا سکیں گے۔ دیسیوں میں اوصاف یورپین لوگوں کے برابر پائے جاتے ہیں۔ جو ادنیٰ عہدوں کا کام چلانے کے لیئے جن پر وہ مقرر ہوں۔ لازمی ہیں۔ وہ بالعموم بہتر محاسب زیادہ صابر۔ محنت کش اور ملک کی حالت اور باشندوں کے اوضاع اطوار اور رسوم وغیرہ سے زیادہ واقف ہوتے ہیں وہ بڑے کام کرنیوالے آدمی ہیں۔ جب تک ہم یہ فرض نہ کر لیں۔ کہ وہ فطرتاً ذہانت میں ہم سے کم ہیں۔ جسپر باور کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ وہ ملازمت کے لیئے یورپین کی بہ نسبت زیادہ قابل پائے جائینگے۔ کیونکہ انتخاب کا میدان دیسیوں میں یورپین سے زیادہ وسیع ہے۔ یہاں ہمارے پاس تمام دیسی قوم ہے جس میں

۔ جسے ہم اپنے مطلب کے موافق چن سکتے ہیں۔ لیکن یوروپینوں میں سے چننے کے لئے ہمارے پاس صرف منتہید ملازموں کی ایک چھوٹی سی جماعت ہے۔

اگر یہ کہا جائے۔ کہ دیسی اکثر غلطی کرتے ہیں۔ تو یہ اونکو ملازم نہ رکھنے کی وجہ نہیں ہوسکتی۔ ہم خود بھی اکثر غلطی کر جاتے ہیں۔ جو غلطی ہم سے سرزد ہوتی ہے اسکا نوٹس نہیں لیا جاتا یا بہت خفیف لیا جاتا ہے۔ لیکن جو غلطی ان سے ہوجاتی ہے۔ اس کو درگذر نہیں کیا جاتا ا ہم ان کو موقوف کر دیتے ہیں۔ اور ان کی جگہ ان سے بہتر آدمی رکھ لیتے ہیں۔ لیکن یوروپین کو ہمیں ضرور رکھنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اونکی جگہ ہمیں ان سے بہتر نہیں ملتے۔ اور چونکہ اُن کو پبلک کے خرچ پر رکھنا ضروری ہے۔ اس لئے انکو خواہ انکی حیثیت کچھ ہی ہو کہیں نہ کہیں لگائے رکھنا پڑتا ہے۔ جبتک کہ ان سے کوئی بڑا بھاری قصور سرزد نہ ہو۔ یہ کہا جاتا ہے کہ دیسیونکی ملازمت سے جو فوائد حاصل ہوسکتے ہیں وہ انکی رشوت کی عادت سے دور ہو جاتے ہیں۔ اور اس کا علاج صرف یہی ہے۔ کہ زیادہ یوروپین۔ یوروپین دیانت داری کے ساتھ ملازم رکھے جائیں۔ مگر یہ علاج بڑا گراں پڑے گا۔ اور اگر اس کے تجربہ کرنے کی کمزوری ہم دکھادینگے۔ تو ضرور ناکامیاب ہونگے۔ ایسی نظیریں موجود ہیں۔ کہ یوروپین نے بھی باوجود بڑی بڑی تنخواہوں کے رشوتیں لیں۔ اور اگر یوروپین ملازموں کی تعداد بڑہا دی جاوے۔ اور اونکی تنخواہیں بطور لازمی نتیجہ کے کم کردی جائیں۔ تو اس بات پر یقین رکھنا تمام تجربوں کے خلاف ہوگا۔ کہ انہیں رشوت زیادہ نہ بڑھ جائیگی۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ گورنمنٹ مختلف صوبوں میں کثیر التعداد یوروپین ملازمونکی بددیانتی کا کامل طور پر نگرانی نہیں کر سکے گی۔ جہاں کی پبلک خود اس کی مزاحمت کرنے کے قابل نہیں۔

اگر رشوت کی رکاوٹ نہیں ہوسکتی تو بہتر ہے کہ بہ نسبت ہمارے دیسیوں میں دایر سایر رہے۔ کیونکہ دیسی اس کا الزام اپنے ہم وطنوں پر دینگے۔ اور یوروپینوں کی دیانت داری کے قایل رہیں گے۔ اور ہمارا چال چلن جو ہماری گورنمنٹ کی پشت پناہ ہے بحال رہے گا۔ کوئی قوم نہیں۔ کہ جس کے

ماتحت سرکاری ملازموں میں رشوت کم و بیش نہیں جاتی رہی۔ اور ہم امید نہیں رکھ سکتے کہ ہندوستان اس بارہ میں مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر ہم رشوت کی جڑ نہیں کاٹ سکتے - تو اتنا تو کر سکتے ہیں کہ اس سے پبلک فائدہ کو ضرر شدید نہ پہنچے۔ ہمیں اس کے متعلق وہی وسائل اختیار کرنے چاہئیں جو دیگر ممالک میں مؤثر ثابت ہوئے ہیں۔ ہمیں دیسیوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آنا چاہیئے۔ ان پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ انکی افسرانہ حالتوں کو معزز بنانا چاہیئے۔ اور کسی حد تک انہیں لالچ سے اوپر اٹھانا چاہیے۔ اسطرح کہ انکی سرکاری تنخواہیں اتنی بڑھا دی جائیں۔ کہ وہ سوسائٹی میں اپنی پوزیشن قائم رکھ سکیں۔

ہم کسطرح اپنی مشفقانہ گورنمنٹ کا فرض کے ساتھ نام سکیں گے۔ اگر ہم ان کو ہر ایک ضروری عہدہ سے خارج رکھیں۔ اور یہ کہیں جیسا کہ اب تک کہتے آئے ہیں کہ اپنے ملک میں جہاں ڈیڑھ کروڑ باشندے ہیں۔ کوئی آدمی سوائے انگریز کے اتنا اختیار دیئے جانے کے قابل نہیں کہ ایک ضرب بید کی سزا کا ہی حکم دے سکے؟ اس قسم کی طعن کرنا گویا تمام قوم پر ذلت کا فتوی صادر کرنا ہے جس کی - کوئی تلافی نہیں ہو سکتی۔ دنیا میں کوئی نظیر نہیں ہے کہ اس قسم کا حقیر فتوی کسی قوم کے حق میں دیا گیا ہو۔ یہ کمزور اور غلط انسانیت جو اس کی غرض ہے دیسیوں کی نگاہ میں کبھی صحیح عذر نہیں ہو سکتی۔ اس بے عزتی کے لئے جو انکے اپنے ہم وطنوں کے خفیف جرائم کا فیصلہ کرنے کے اعتبار کے ناقابل ظاہر کرنے میں ان کی گئی ہے۔ ہم انکی اصلاح تو کرنی چاہتے ہیں۔ مگر وسائل اس کے حصول کے بالکل خلاف استعمال کرتے ہیں۔ اصلاح کے حامی ان مقتولوں کو مطلق ذہن میں نہیں لاتے جن پر اس کا انحصار ہے۔ وہ یہ تجویز کرتے ہیں۔ کہ دیسیوں پر ہرگز اعتبار نہ کیا جائے انکو کوئی اختیار نہ دیا جاوے۔ اور ان کو حتی الامکان عہدوں سے خارج رکھا جاوے۔ مگر ساتھ ہی وہ انہیں علم کے عام پھیلانے سے روشن خیال بنانے میں بڑے شوق سے کوشش کر رہے ہیں۔

اس سے زیادہ بیہودہ اور وحشیانہ خیال کبھی تاریک زمانوں میں بھی نہیں پھیلا۔ کیونکہ ہر ایک زمانہ اور ہر ایک ملک میں علم کے شوق سے سوائے شہرت دولت۔ یا طاقت حاصل کرنے کے اور کیا غرض ہو سکتی تھی؟ اور اعلیٰ قابلیتوں کے حاصل کرنے کا فائدہ ہی کیا ہے۔ اگر وہ اعلیٰ مقاصد میں نہ لگائی جائیں۔ یعنی اپنی جماعت کی مدت میں ان لوگوں کو جو انہیں ماہر ہیں۔ اپنی اپنی اوصاف کے مطابق مقرر کرنے اور انتظام ملک کے مختلف صیغوں میں جگہ دینے سے؟

ہم کس طرح امید رکھ سکتے ہیں۔ کہ ہندو علم حاصل کرنے کا شوق کرینگے جبتک کہ ان کے سامنے وہ ترغیبیں نہ ہوں۔ جو دیگر ممالک میں ہیں؟ اگر اعلیٰ قابلیتوں سے ناموری کا راستہ نہیں کھل سکتا۔ تو ہرگز خیال نہ کرنا چاہیئے۔ کہ ہندو ان کے حاصل کرنے میں اپنا وقت ضائع کرینگے۔ اور اگر انہوں نے حاصل کر بھی لیا۔ اور اعلیٰ عہدوں سے محروم رکھے گئے۔ تو یہ کمال کوئی اور کام نہ دیگا سوائے اس کے کہ انہیں اپنی اور اپنے ہموطنوں کی گری ہوئی حالت سے آگاہی حاصل ہو۔ وہ کبھی اس چیز کا مطالعہ نہیں کرینگے جس سے انجام کار انہیں کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ وہ صرف وہی باتیں سیکھیں گے۔ جنکی ان کو ضرورت ہوگی اور جو انکے کار آمد ہونگی۔ مثلاً لکھنا اور حساب۔ اسمیں کچھ مستثنیٰ بھی ہونگی۔ مگر بہت ہی کم۔ چند ایک دیسی جو یوروپین آبادی میں رہتے ہیں اور انگریزوں میں رہنے کا زیادہ موقعہ پاتے ہیں۔ لٹریچر کے شوق کے خیال سے یا بڑائی کے خیال سے یا کسی اور سبب سے ممکن ہے انکی کتابیں پڑھیں۔ لیکن اگر اسمیں انہوں نے کچھ ترقی کر لی۔ تو اس پر بڑا مبالغہ کیا جائے گا۔ اور اسے علم اور روشنی کے دن کی صبح قرار دیکر خوشی سے کہا جائیگا کہ یہ عنقریب تمام ہندوستان پر پھیل جائیگی۔ دیسیوں میں یہ تھوڑی تعداد ہمیشہ رہی ہے اور رہے گی۔ مگر اس سے عام لوگوں کی جماعت میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی ہماری کتابیں کچھ بھی نہیں کرینگی۔ خشک سادہ لٹریچر سے کبھی کسی قوم کی حالت نہیں سدھری۔ یہ تاثیر پیدا کرنے کے لئے دولت۔ عزت اور پبلک ملازمت کی شاہراہ کھولنی چاہیئے۔ ایسے اجر کی امید کے بغیر تحصیل علم سے لوگوں کا چال چلن

بلند درجہ پر نہیں پہنچ سکے گا۔

ہر ایک قوم کیلئے یہ درست ہے۔ اور ہندوستان کے لئے بھی یہی درست ہے۔ خود ہمارے لئے بھی یہی درست ہے۔ فرض کرو کل ہی برطانیہ پر کسی غیر طاقت کا قبضہ ہو جائے۔ اور وہاں کے باشندے حکومت کے حصہ سے محروم کر دیئے جائیں۔ پبلک اعزاز اور ہر ایک آمدنی اور اعتبار کی جگہ سے خارج کر دیئے جائیں۔ اور ہر حالت میں انکو اعتبار کے نالائق سمجھا جائے تو ان کا تمام علم اور تمام لٹریچر پاک اور ناپاک انکو ایک دو پشت میں ہی تنگ دل فریبی اور بددیانت قوم بننے سے ہرگز نہ بچا سکے گا۔

اگر ہم یہ بھی فرض کر لیں۔ کہ یہ بات قابل عمل ہے کہ ایک دیسی کی امداد کے بغیر بھی ہم ملک کے تمام کاروبار چھوٹے یا بڑے عہدوں میں۔ صرف یوروپین ملازموں کے ذریعہ چلا سکتے ہیں۔ پھر بھی ایسا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ پولیٹیکل اور اخلاقی طور پر یہ بڑی بھاری غلطی ہوگی۔ دیسیوں کی ہماری حکومت سے ساتھ وابستگی کا بڑا بھاری باعث یہ ہے کہ ہمارے دفتروں میں انکی بڑی تعداد ملازم ہے۔ جتنا جتنا ہم انہیں وہاں سے نکالتے جائینگے۔ اتنا اتنا ہی ہمارا قابو ان پر کم ہوتا جائیگا۔ اور اگر ہم سب کے سب نکال دیں۔ تو محبت کی بجائے انہیں نفرت پیدا ہو جائیگی۔ وہ اپنے جذبہ کو تمام آبادی میں اور دیسی سپاہیوں میں پھیلا دیں گے اور ناراضگی کا ایسا زبردست جوش بھڑکا دیں گے۔ جسکی مزاحمت کرنا اور مغلوب کرنا ہماری طاقت سے باہر ہوگا۔ اور اگر ایسا ہی ممکن ہو۔ کہ وہ بلا مزاحمت خاموشی کے ساتھ دب جائیں۔ تو حالت اور بھی بری ہوگی۔ کیونکہ ان کا چال چلن غرق ہو جائیگا۔ انہیں ناموری اور بڑے عہدوں کی کوئی امید نہ رہے گی۔ جو قابل تعریف آنگیخت ہیں۔ اور وہ کاہل اور ذلیل قوم بن جائیں گے۔ جو سوائے اپنا پیٹ بھرنے کے کسی اعلےٰ کام کے قابل نہ ہونگے مگر یہ زیادہ پسندیدہ ہوگا۔ کہ ہم اس ملک سے بالکل نکال دیئے جائیں بجائے اس کے کہ ہماری طرز حکومت کا نتیجہ تمام قوم کو رذیل بنانے کا نکلے۔ بیشک ایسا خیال کرنا نہایت تعجب کی بات ہے کیونکہ ابھی تک کسی نے یہ تجویز نہیں

کی۔ کہ دیسیوں کو بے شمار چھوٹے عہدوں سے نکال دیا جائے۔ بلکہ صرف اعلیٰ
عہدوں سے محروم رکھا جائے۔ لیکن اصول وہی ہے۔ صرف تفاوت درجات
ہے۔ جس تناسب میں ہم انہیں اعلیٰ عہدوں سے محروم رکھیں گے۔ اور
پبلک معاملات کے انتظام میں حصہ نہ دینگے۔ اتنا ہی ہم انکی دلچسپی قومی معاملات
میں کم کر دینگے۔ اور اُن کے چال چلن کو ذلیل کر دینگے۔ یہ دیسی ایجنسی
کو وسعت دینے کی پالیسی کا اعتقاد ہی تھا۔ کہ ۱۸۳۳ء میں ریونیو بورڈ
کچہری کے قایم کرنے کی سفارش کی گئی۔ ہر ایک آزاد ملک میں لوگوں پر
ان کی مرضی سے ٹیکس لگانے کا حق سب سے زیادہ ضروری استحقاق
سمجھا گیا ہے۔ اس کا لوگوں کے دلوں پر بڑا اثر رہا ہے۔ اور اس پہ اکثر
حامیان آزادی نے اصرار کیا ہے۔ ان ملکوں میں بھی جہاں آزادی نہیں
ہے۔ ٹیکس لگانا گورنمنٹ کا بڑا بھاری کام ہے۔ کیونکہ یہی ہے جس کا اثر
لوگوں کی آسایش اور خوشی پر ہوتا ہے اور یہی ہے جس نے انہیں اکثر
مزاحمت کا اشتعال دلایا ہے۔ اس لیے اس کے فایدہ اور خطرے دونوں
سے نہایت مطلق العنان حکومتوں نے بھی اس ضرورت کو تسلیم کرنا سیکھا
ہے۔ کہ ملک کے نہایت قابل آدمی اسکے انتظام پر مقرر کئے جائیں۔

کم از کم اس بارہ میں ہمیں ان گورنمنٹوں کی مثالوں سے ہدایت
لینی چاہیئے۔ اور ریونیو بورڈ کی امداد کے لئے ہوشیار اور تجربہ کار دیسی
مال کے افسر مقرر کرنے چاہیئیں۔ اگر ہمیں یہ تجربہ ہو گیا ہے کہ دیگر محکمجات
میں دیسیوں نے یوروپین افسروں کو خاص امداد دی ہے۔ تو کیا ہمیں
انہیں اس محکمہ میں نہیں رکھنا چاہیئے۔ جو زیادہ ضروری اور مشکل ہے؟
اگر ہم ان کو اس سے خارج رکھیں گے۔ تو ہم انکو اور اپنے آپ کو بھی
ضرر پہنچائیں گے۔ ہم بغیر ان کے اس محکمہ کو احسن طور پر چلا نہیں سکتے
اور اگر ہم چلا بھی سکیں تو بھی پالیسی تقاضا کرتی ہے۔ کہ ہمیں ضرور انہیں
اپنے ملک پر ٹیکس لگانے میں حصہ دینا چاہیئے"۔

مذکورہ بالا برک اور وزلی اقوال جنکی نظیر آجکل کی انیگلو انڈین تحریرات:

مطلق پائی نہیں جاتی۔ جیساکہ میں نے کہا ہے۔ ایسے ہی روشن وسیع دل اور مدبرانہ اقوال کے سو صفحوں میں سے چند ایک جملے ہیں۔ جنہیں جگہ کی قلت کی وجہ سے میں زیادہ نقل نہیں کر سکتا۔

بیشک سر ٹامس منرو کی ناموری مدراس میں صحیح طور پر چھتری کے نہایت نفیس سٹیچو (بُت) سے قایم کی گئی ہے۔ اگر اس کی روح کو ہندوستانی انتظام کے احاطہ میں داخل ہونے کی ویسی اجازت دی جاتی۔ جیساکہ اس کا بُت (چھتری کا بنا ہوا) قدیم زمانہ کے چنا پٹنم میں جزیرہ پر تصرف کئے ہوئے ہے تو میری یہ تصنیف بالکل غیر ضروری ہوتی۔ اور میں یہ کتاب کبھی نہ لکھتا۔ اس کے اقوال ایسے زیرک تھے۔ کہ جس آدمی کو ان کا علم ہو۔ اس کے لئے نہایت مشکل ہے۔ کہ اس کے بُت کو ایک زندہ آدمی سمجھکر بغیر ٹوپی اتار کر سلام کرنے کے پاس سے گذر جائے۔ اب رائٹ ریورنڈ بشپ ہیبر سوائش نے انگلینڈ میں رائٹ آنریبل چارلس ولیمس واین کو ایک خط کرناٹک سے مارچ ۱۸۲۶ء کو بھیجا۔ جسمیں وہ حسب ذیل لکھتا ہے۔

پہلی دفعہ بنگال چھوڑنے کے وقت سے جس قدر زیادہ میں نے اس ملک کو دیکھا۔ اتنا ہی زیادہ ایک امر میرے دل پر نقش ہوتا گیا ہے۔ میری خیال میں ٹیکس کے موجودہ نرخ کے لحاظ سے نہ ہی یوروپین اور نہ ہی نیٹو زراعت پیشہ لوگ سرسبز ہو سکتے ہیں۔ زمین کی کل پیداوار کا نصف سرکار لے لیتی ہے۔ اور یہ ٹیکس جو فی بیگھ ہر ایک جگہ میں جہاں استمراری بندوبست نہیں ہوا۔ اوسط نرخ ہے۔ افسوس ہے کہ بہت ہی بھاری ہے اور اس سے کسان کے لیئے کافی خوراک باقی نہیں رہتی۔ گو ہندوستانی بڑی کفایت شعاری سے گذارہ کرتے ہیں۔ اور زمین بھی فطرتی اور نہایت سستے طریقہ سے کاشت کرتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ یہ ہے۔ کہ انکی حالت میں اس سے کوئی اصلاح ہونی ناممکن ہے۔ اچھے سالوں میں بھی لوگ اس کی بدولت نہایت غریب حالت میں رہتے ہیں۔ اور جب فصل کا تھوڑا سا بھی نقصان ہو جاتا ہے۔ تو گورنمنٹ کو التوا اور تقاوی میں بہت سا روپیہ

مجبوراً دینا پڑتا ہے۔ مگر اس پر بھی مرد عورت اور بچوں کو کوچوں میں بھوکوں مرنے اور سڑکیں اونکی لاشوں سے بھرے رہتے ہیں کوئی روک تھام نہیں ہوسکتی۔

بنگال میں جہاں کی زمین بڑی زرخیز ہے اور بندوبست بھی استمراری ہو قحط نام کو بھی نہیں۔ برخلاف اس کے ہندوستان میں شاہی افسران میں ایک عام خیال ہے۔ جس کے ساتھ مجھے پورا اتفاق ہے۔ کہ کمپنی کے صوبجات میں کسانوں کی حالت ابتر ہے۔ اور وہ بہ نسبت دیسی ریاستوں کی رعایا کے زیادہ غریب اور کمزور ہیں۔ اور یہاں مدراس میں جہاں کی زمین ایسی اچھی نہیں سمجھی جاتی۔ یہ تفاوت اور بھی زیادہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دیسی پرلنس اتنا معاملہ نہیں لیتے۔ جتنا کہ ہم لیتے ہیں۔ اور ہمارے طریقہ کی ہر ایک اعلیٰ باقاعدگی کو مدنظر رکھکر بھی مجھے بہت کم عام آدمی ملے ہیں۔ جو دل سے اس بات کے معتقد نہیں ہیں۔ کہ لوگوں پر ٹیکس بھاری لگایا گیا ہے اور ملک دن بدن مفلس ہوتا جاتا ہے۔ کلکٹر سرکاری طور پر اسبات کا اظہار نہیں کرتے۔ بیشک کبھی کبھی کوئی لائق کلکٹر محنت سے لوگوں کا لگان گھٹانے اور سرکار کا ٹیکس بڑھانے میں کامیاب ہوتا ہے۔ لیکن عام طور پر تمام تاریک تصویروں سے متاثر ہونے سے پرہیز کرتے ہیں۔ تاکہ مدراس یا کلکتہ کے سیکرٹری انکو ملامت نہ کریں۔ اور سیکرٹری اونکو بڑی تاکید سے لکھتے ہیں جبکہ ولایت کے ڈائرکٹر اور روپیہ کا اُن سے تقاضا کرتے ہیں۔

میرا پختہ یقین ہے کہ یہ نہایت ضروری ہے کہ کسانوں سے روپیہ کم لیا جائے۔ اور جو لیا جائے اس کا بہت سا حصہ مُلک میں ہی خرچ کیا جائے۔ یورپ میں ہندوستانی دستکاری کے لئے کوئی دروازہ کھولا جائے۔ اور اپنے لوگوں پر حکومت کرنے میں دیسیوں کو زیادہ حصہ دیا جائے۔ اسطرح یہ سلطنت خوش و خرم بھی ہوگی۔ اور ہمیشہ ہی رہے گی۔ مگر جو چال اب وقت چلی جا رہی ہے۔ گو میں اس تعریف کو واپس نہیں لیتا۔ جو میں نے دوسر موقعوں پر کمپنی کے ملازموں کی دیانت۔ محنت۔ حیا اور عام چال چلن کے متعلق

کی ہے۔ میں نہیں خیال کرتا۔ کہ موجودہ سلطنت زیادہ عرصہ تک قایم رہ سکے گی۔

میں نے بعض اوقات خیال کیا ہے۔ کہ اس ملک کا انتظام فوراً تاج کے سپرد کر دینا چاہیئے۔ مگر جو کچھ میں نے لنکا میں دیکھا۔ اس سے مجھے اس کے صحیح علاج ہونے میں شک پڑ گیا ہے۔ جبتک کہ گورنمنٹ اور سب سے زیادہ انگلینڈ کے لوگ یقین نہ کر لیں کہ کوئی ملک غیروں کو اتنا زیادہ مالیہ دینا برداشت نہیں کر سکتا۔ جتنا کہ انکو جو ملک کے حدود کے اندر ہی رہ کر دولت کو خرچ کریں۔ اور یہ کہ بہت سے ذرائع جن سے بہم ملک دولتمند ہو گئے تھے۔ اب اس نسبت سے کم ہوتے جاتے ہیں۔ جس نسبت سے انگلینڈ کی ذہانت اور دستکاری ان کا حریف بن کر ان سے گوئے سبقت لیگئی ہیں۔ بنگال میں بھی بڑا بھاری ٹیکس ہے۔ گو براہ راست زمین پر نہیں۔ مگر نمک اور دیگر محصولوں میں لیکن بنگال قدرتاً بڑا ہی زرخیز ملک ہے اور جس نے صرف بنگال کو ہی دیکھا ہے۔ وہ ان وسیع ممالک کی دولت مندی کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا (بشپ ہیبر کا تذکرہ اور خط و کتابت جو کہ بیوہ نے لکھی۔ جلد ۲۔ صفحہ ۴۱۳-۴۱۴۔ جان مرے ۱۸۳۰ء)

میں نے مذکورہ بالا دانا اور نہایت ہی دانا اقوال کو پرانی جلدوں سے کیوں کھود کر نکالا ہے؟ اس لیئے کہ جو تنازعہ اس قسم کے چیف ایکٹروں

ٹھیکرے اور جیمیس مل

بخلاف

منرو اور ہیبر

میں اُس وقت چلا تھا۔ وہ انیسویں صدی کے دوسرے اور تیسرے ۲۵ سالہ زمانوں میں بپا ہوا۔ اس وقت غلط قدم رکھا گیا۔ صحیح قدم ابھی رکھا جانا ہی ضرر رساں بات تو یہ ہے۔ کہ ایک بڑا عہدہ دار بھی جس کو انڈیا سے تعلق ہو۔ بیسویں صدی کے شروع میں اس بات کا خیال نہیں کرتا۔ کہ کوئی آگے قدم رکھنے کی یہاں کچھہ ضرورت ہے۔ وہ ہندوستانی حکومت کی نسبت ویسا ہی خیال رکھتی

ہیں۔ جیسا کہ ۱۸۳۳ء سے پہلے برٹش کانسٹیٹیوشن کے متعلق ڈیوک اعظم کا خیال
تھا "یہ خدا کی طرف سے ہے یہ پاک اور مقدس ہے"۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ اتفاقیہ
(یا دیگر) اجتماع حالات ہیں جنہیں ہم قومی نشوونما کہتے ہیں۔ ہندوستان میں
صحیح قدم رکھنے کی گنجائش ہو۔ اگر خوش قسمتی سے ایسا ہوسکے۔ تو ایسا کیے جانے
کی غرض سے ہی مذکورہ بالا عبارات بجنسہ ناظرین کے سامنے رکھدی
گئی ہیں۔ ہماری قومی خاصیت میں وہ احساس جسے ستھرا برٹش
انصاف کہتے ہیں۔ تھیکری کی بیان کردہ حالات دیکھکر بیزار ہو جاتا ہے ۱۸۳۳ء
چارٹر کے ازسرنو تازہ کئے جانے سے پہلے جو تحقیقات کی گئی تھی۔ اس میں بہت
سے سوالات بادشاہ کی ہندوستانی رعایا اور ہندوستان کے ذرائع کی اندرونی
اور اپنے ہی لوگوں کی وساطت سے ترقی کے متعلق پوچھے گئے۔ مسٹر رابرٹ
ریکرڈز کی شہادت جو کئی سال تک مدراس اور بمبئی میں ملازم رہا۔ اس شہادت
کی اوسط سے بہت ہی زیادہ عقلمندانہ ہے۔ جو وقتاً فوقتاً ہندوستانی معاملات
پر برٹش کمیٹیوں میں دیکھی ہے۔ غالباً یہ زیادہ تر مسٹر ریکرڈز کے اقوال کی
بدولت ہے۔ کہ ۱۸۳۳ء کے ایکٹ پارلیمنٹ میں جس سے چارٹر کی تجدید کی گئی
اس زور کے ساتھ یہ ظاہر کیا گیا۔ کہ اپنے ملک میں ہندوستانیوں کو ملازم رکھنے
میں کسی ذات۔ مذہب یا رنگ کی مطلق تمیز نہ کی جائیگی۔ وہ فقرہ حسب ذیل
ہے۔

"مذکورہ بالا علاقوں کا کوئی نیٹو یا ہر میجسٹی کی عملداری میں پیدا شدہ شخص جو
وہاں سکونت پذیر ہے۔ مذہب جائے پیدائش۔ نسب۔ رنگ یا اور کسی وجہ کر
مذکورہ کمپنی کے ماتحت کوئی جگہ عہدہ یا ملازمت پانے کے ناقابل نہ سمجھا جائیگا"

جن معنوں کو دل میں رکھکر واضعان نے یہ الفاظ درج کئے ہیں۔ وہ بلاشبہ
بڑے شریفانہ اور بڑے فیاضانہ ہیں۔ جو اس سے پہلے کبھی کسی فاتح طاقت نے
قانون میں درج نہیں کئے۔ اگر ان الفاظ پر عمل بھی کیا جاتا۔ تو اس ملک عظیم کی
حالت جس کے ہم ذمہ وار ہیں۔ اور اس کے باشندوں کی بے شمار مخلوق کی بہبودی
جسکی ہم کو جوابدہی نہیں کرنی۔ کیونکہ کوئی ہم سے جواب لینے والا نہیں۔ اس سے

بہت ہی اچھی ہوتی جیسی کہ اب موجود ہے۔[1]

مسٹر بکرڈز سے پوچھا گیا۔ "کیا انڈیا کو اپنے ذرائع دولت پیدا کرنے کے لئے سرمایہ کی ضرورت نہیں؟" اس نے جواب دیا۔ "بیشک اس کو ضرورت ہے۔ مگر میرے خیال میں اس مطلب کے لئے سب سے اچھا۔ اور مناسب سرمایہ وہ ہوگا۔ جو یہیں سے اکٹھا کیا جائے۔ اور اس قسم کا سرمایہ دیسیوں سے اکٹھا کیا جاسکتا ہے اگر ہمارے ضوابط انکی طاقتوں کو سلب کر دینے اور عام باشندوں کے افلاس (جس کا انہیں علم ہے) کی تصدیق کرنے سے اس کے سدراہ نہوں" پھر اسی گواہ سے پوچھا گیا "کہ اگر ہندوستان میں علوم و فنون سے ماہر لوگ آباد ہو جائیں۔ تو اس سے ہندوستان کو بڑا فایدہ پہنچے گا؟" اس کے جواب میں مسٹر بکرڈز نے کہا "بلاشبہ فایدہ پہنچے گا" مگر صرف انہی آدمیوں کی موجودگی کافی نہ ہوگی۔ جو لوگ مصدقہ ذلیل حالت کو پہنچ گئے ہیں۔ انکی اعصاب میں غیر مثال سے کیا طاقت پیدا ہو سکتی ہے۔ اسی وجہ سے میرا خیال ہے کہ عام انصاف نیز پالیسی کے لحاظ سے ہماری پہلی توجہ اس کے باشندوں کی حالت میں ترقی کیطرف مایل ہونی چاہئے مشہور و معروف انداز سے انیسویں صدی کے آخری سالوں میں یہ سوال پوچھا گیا "کیا برٹش سرمایہ اور برٹش آبادی سے بہت سی شاخیں تجارت اور حرفت

---

[1] یہ ریمارک انسانی معنوں اور الہی معنوں میں جن میں وہ متن میں استعمال کیا گیا ہے بالکل صحیح ہے۔ میں نے خود جارج ہملٹن کو ۱۶۔ اگست ۱۹۰۱ کی شام کو ہوس آف کامنز میں ہندوستان کے دوستوں کو بطور طعن یہ کہتے ہوئے سنا۔ کہ ۱۸۷۴ء اور ۱۸۷۸ء میں جبکہ وہ انڈر سیکرٹری سٹیٹ فار انڈیا تھا۔ اسے اس سے بہت کچھ زیادہ ہوس میں کرنا پڑتا تھا۔ جتنا کہ ۱۸۹۵ء سے لیکر بحیثیت سکرٹری آف سٹیٹ اُسے کرنا پڑتا ہے۔ اگر ہندوستانی معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ کہ انکی آزادی کی لہر جو انہیں حاصل تھی۔ کیوں پیچھے ہٹ گئی ۔۔ تو وہ اُسے مذکورہ قول سے دیکھ لیں۔ ہوس آف کامنز میں وہ چیتنی جس کے لئے ۱۸۸۹ء و ۱۸۹۰ء و ۱۸۹۱ء مشہور ہیں۔ جبکہ چارلس بریڈ لا۔ انڈیا کا ممبر تھا اس پس روی کو روکدیتی جسکا تعلیم یافتہ ہندوستانی ماتم کر رہے ہیں۔ اور یقیناً بڑی ترقی کا موجب ہوتی۔

نہیں کھولی اور جاری کی گئیں۔ اور کیا یہ کافی نہیں؟ کوئی شبہ نہیں کہ اس کا
جواب یہ دیا گیا۔ کہ جو کچھ تم کہتے ہو یہاں بہت کچھ ہوا ہے۔ مثلاً نیل کی کاشت
وغیرہ۔ لیکن اس جگہ میں ناظرین کو ذیل کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ مندرجہ
ذیل جملہ میں جو الہامی قلم سے نکلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ وہ راستہ بتایا گیا ہے
جو انگلینڈ ضرور اختیار کرتا۔ اگر اس کو انڈیا سے راہ رسم رکھنے میں ہندوستانیوں
کے فائدہ کا پہلا خیال ہوتا۔ وہ جملہ یہ ہے۔

"مگر میں اب بھی قرار دیتا ہوں کہ اگر کوئی ترقی ہندوستان میں انگریزی سرمایہ
اور انگریزی کاروبار رائج کرنے کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔ تو وہ اس ترقی کے مقابلہ میں
کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ جو اس طرح ہو سکتی تھی۔ کہ ہندوستانیوں کو کافی
طور پر جرأت دلائی جاتی۔ اور انکی کاشت اور اصلاح کی طرف مناسب توجہ
کیجاتی" اس جملہ میں کیونکہ جو نصیحت اس میں دیگئی ہے اس کو مطلق نظر انداز
کیا گیا۔ وہ سنگین فتوا شامل ہے۔ جو موجودہ ہندوستانی افلاس اور ہندوستانی
مصیبت کے متعلق ذہن میں آسکتا ہے۔ سر سنبری کا راستہ عزت اور شجاعت
کا راستہ تھا۔ یہ صاف طور پر دکھا دیا گیا۔ مگر یہ سنہ ۱۸۳۳ء میں جان بوجھکر نظر انداز کیا
گیا۔ اور اب سنہ ۱۹۰۱ء میں بھی کیا جا رہا ہے۔ وزیر ہند تسلیم نہیں کرتا۔ کہ اس قسم
کا حادثہ موجود ہے۔ ہندوستانی معاملات کے متعلق ہمیشہ پہلا لحاظ ہندوستان
کا نہیں۔ بلکہ انگلینڈ کا کیا جاتا ہے۔ وائی کونٹ کراس نے جبکہ وہ وزیر ہند تھا۔
اس قسم کی شہادت دی۔ بدوں یہ جاننے کے کہ اس نے جو راستہ اختیار کیا ہے
اس سے ہندوستانیوں کے ساتھ وہ سخت بدسلوکی کر رہا ہے۔ اس کے ہر ایک
جانشین نے اپنے متقدم کے قدم پر چلنے کی کوشش کی ہے۔ خواہ ہندوستان
کے متعلق کیا کچھ فروگذاشتیں نہ ہو گئی ہوں۔ مگر اس بات کو کبھی فراموش نہیں
کیا گیا کہ انگریزی اقتدار ہندوستان میں دن بدن غالب ہوتا جائے۔

میں نے دونوں مذکورہ بالا سوالات جو سنہ ۱۸۳۱ء میں پوچھے گئے۔ ان
راؤں کے ساتھ جوڑ دیئے ہیں۔ جو اس وقت قایم اور ظاہر کی گئی ہیں۔ دو اور
سوالات جو ستر سال گذرے ایک تحقیقات میں پوچھے گئے۔ یعنی سنہ ۲۸۰۷

وشہ ۲۸۰۸ خصوصیت کے ساتھ اس کے متشابہ ہیں اور ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے بارہ میں جو رائے اسوقت تھی - اور جواب ہے - اہمیں اصلی فرق کچھ بھی نہیں - ایک لفٹنٹ گورنر بنگال جو ابھی تک زندہ اور لنڈن میں بڑی محنت کے کام میں مصروف ہے - چند سال گذرے ہیں - اس سوال کے جواب میں کہ اعلی طبقہ حکومت میں یورپین اور ہندوستانیوں کا قریبی ملاپ یورپین کو بہت سی باتیں جو وہ نہیں جانتے سکھانے کا موقعہ دے گا - فرمایا "ہندوستانی ہمیں سکھائیں گے ؟ بالکل واہیات ! کونسی بات ہے جو تم انہیں نہیں سکھائی - وہ تو کچھ نہیں جانتے ! تمہیں کیا سکھائیں گے "

بالکل انہی معنوں میں مسٹر ریکرڈز سے ۱۸۳۱ء میں پوچھا گیا تھا - :-

کیا تم کسی اصلاح کا نام لے سکتے ہو - جو تمہارے زمانہ میں دیسیوں نے کی ہو - اور جس کا سراغ یورپین تاثیر اور مثال تک نہ پہنچتا ہو ؟ "

اس کا جواب ویسا ہی پُرزور دیا گیا - جیسا کہ وہ صاف اور ناقابل انکار ہے -

" میں نے ابھی کہا ہے کہ جو اصلاحیں یورپین نے کی ہیں ان سے بہت ہی کم ہیں - جو ضرور ہوتیں - اگر دیسیوں کو کافی جرأت دلائی جاتی - لیکن ان کی موجودہ سخت مفلسی اور مطلق غلامی میں ان سے یہ امید کرنا عقلمندی نہیں - کہ ان سے کوئی اصلاحیں خود بخود نکل سکتی ہیں - پھر بھی سب سے بڑی اصلاح جو انسانی دل میں محسوس ہو سکتی ہے - دیسیوں نے بالکل اپنی کوشش سے کی ہے - تحصیل علم اور خصوصاً انگریزی زبان اور انگریزی لٹریچر میں جس کی بہت سی نظیریں بنگال - مدراس - اور بمبئی میں اس وقت موجود ہیں دیسیوں نے حیرت انگیز ترقی کی ہے - اور یہ سوال کیا جا سکتا ہے - کہ کیا یورپ کے کسی اور ملک نے ایسے ہی حالات میں اس قدر بڑی علمی ترقی کبھی کی ہے ؟

یہ بھی پوچھا گیا " کہ کیا یہ حالت انہی کی نہیں - جو خصوصیت کے ساتھ یورپین کے ساتھ راہ و رسم رکھتے تھے - ؟ "

مسٹر ریکرڈز نے جس کے اقوال اس قابل ہیں - کہ ان سے بڑا فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے انہیں پھر چھاپ کر کسی نمایاں جگہ پر انڈیا آفس کے ہر ایک

کمرہ اور ہندوستان کے تمام سرکاری دفاتر خصوصاً وائسرائے گورنرز۔ لفٹنٹ گورنرز۔ ممبران کونسل کمشنرز۔ اور دیسی ریاستوں کے ریزیڈنٹوں کے دفتروں میں آویزاں کیا جاوے۔ اس سوال کا مندرجہ ذیل جواب دیا۔

جن نظیروں کا میں نے حوالہ دیا ہے وہ ان دیسیوں میں پائی جاتی ہیں۔ جو برابر یورپین سے راہ و رسم رکھتے ہیں۔ اور انڈیا کی مختلف پریذیڈنسیوں میں آباد ہیں۔ مگر انکی کوششیں یورپین امداد سے بالکل آزادانہ ہوتی ہیں۔ وہ دیسی جن سے میں واقف ہوں۔ اور جن کا میں نے حوالہ دیا ہے۔ بالکل آپ ہی سیکھے ہوئے تھے۔ میں یہاں اتنا کہنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ کہ جو لوگ اس ملک میں عام طور پر بڑے زور سے کہتے ہیں۔ جیسے کہ بعض مستند افسروں نے کہا ہے۔ کہ ہندوستانی ترقی کرنے کے نا قابل ہیں۔ ان کے خلاف میں بڑے زور سے پکارتا ہوں۔ کہ وہ میری عاجزرائے میں تمام جماعت پر نہایت بے انصافی اور تہتک آمیز فیصلہ صادر کرتے ہیں۔ اس ملک میں اس وقت ایک شاندار نظیر[۵۱] موجود ہے۔ جس سے ثابت ہو سکتا ہے۔ کہ ہندوستانی کس قدر قابلیت بغیر کسی امداد کے حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے۔ کہ ہنر کی بہت سی شاخوں میں ان کے جوہر کا مقابلہ ہی نہیں ہو سکتا۔

انکی ململ۔ شالیں۔ زرنگار ریشم۔ رومال وغیرہ اوائل ہی کے ساتھ ہی سرپٹے۔ روپے۔ اور ہاتھی دانت کی کاریگریوں کے نمونے ایسے ہیں۔ کہ اب تک برٹش کاریگران کا مقابلہ کرنے میں عاجز ہیں۔ ان کا فن عمارت کو خاص قسم کا ہے۔ نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے۔ اور بڑی بڑی پبلک عمارات کی تعمیر میں انہوں نے بڑے پتھروں کے ہلانے اور اٹھانے میں وہ زور خرچ کیا ہے جو یورپین معماروں کو معلوم ہی نہیں۔ زراعت کی بھی ابتدائی ترقی اور پھر کمال شرق میں ہی حاصل ہوا۔ اور اس نسبت میں یورپ کو گویا نمونہ دکھایا گیا۔ انہیں اور دیگر نسبتوں میں جو زندگی کی آسائش اور آرام سے تعلق

[۵۱] یہ تجربہ سے ملتہمی ریفارمر رام موہن رائے کیطرف بلاشبہ اشارہ ہے۔ جو اس وقت انگلینڈ میں آیا۔ اور اس نے پارلیمنٹری کمیٹی کی ایک قیمتیں یادداشتیں لکھیں ؎

رکھتی ہیں۔ ہندوستانیوں نے بعض میں بڑی ترقی اور بعض میں بڑا کمال بدوں یوروپین مونہ یا نظیر کا ذرا سا احسانمند ہونے کے حاصل کیا۔ میں یہ نہیں کہتا۔ کہ انکی ترقی اور پیش قدمی بالعزم زندگی کے فنون میں اس کا سواں حصہ بھی تیز اور عظیم ہوئی۔ جسقدر کہ یوروپین لوگوں کی۔ مگر میرے خیال میں یہ انصاف نہیں کہ انکی موجودہ پست حالت یوروپین پیشقدمی کے مقابلہ پر لائی جائے۔ جبکہ دونوں کے حالات بالکل مختلف ہیں۔ میرا قیاس ہے کہ جو لوگ ہندوستان میں آزاد یوروپینوں کو دیسی ترقی کی طاقت دینے کے لئے داخل کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ وہ اس بات کو مطلق فراموش کر دیتے ہیں۔ کہ دونوں کے کیریکٹر میں کسقدر بھاری اختلاف ہے۔ اگر حفاظت کا کوئی بہتر طریقہ مہیا کرنے سے پیشتر یوروپینوں کو ہندوستان میں چھوڑ دیا گیا — تو اس کا یہ نتیجہ ہوگا۔ کہ مغرور فاتحوں کو مطیع غلاموں کے ساتھ ملا کر ظلم اور جبر کو روا رکھا جائے۔ جبتک دیسیوں کو (میرا یقین ہے کہ وہ بڑے فایدہ کے ساتھ اٹھائے جا سکتے ہیں) اپنی گورنمنٹ میں زیادہ حصہ دیکر اوپر نہ اٹھایا جائیگا۔ تب تک میری رائے میں انڈیا پر کبھی انصاف اور حفاظت کے ساتھ یوروپین سلطنت کی حکومت نہیں ہوسکتی"

ناظرین مسٹر ریکرڈز کی شہادت کا کچھ اور مطالعہ کرنے کی تکلیف گوارا فرمائیں۔ جو میں متن میں نقل کرتا ہوں۔ (بجائے حاشیہ اور ضمیمہ میں لکھنے کے) میں اسلئے اس کے ریمارکوں کی طرف خاص توجہ دلاتا ہوں۔ کہ وہ ہر ایک خصوصیت میں آج کے انڈیا کی حالت کے مصداق ہیں۔ انیسویں صدی میں تو ان ریمارکوں کا کچھ اثر نہ ہوا۔ شاید اس بیسویں صدی میں ان کا کچھ اثر پڑ جائے۔ اس وقت بھی ان میں ایسی مدبرانہ دانائی بھری ہوئی ہے۔ کہ وہ زمانہ کے حقیقی امکانوں کے دائرہ میں کامل مشورہ سمجھے جا سکتے ہیں۔ اگر جیسا کہ زبان سے کہا جاتا ہے ویسا دل سے بھی انڈیا کے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش کی جائے۔ میں سوالات ۲۸۱۵ سے ۲۸۲۰ تک (سوال ۲۸۲۴ اس جلد کی کتاب کے متعلق ہے جو مسٹر ریکرڈز کی تصنیف ہے) اور ۲۸۲۵ سے ۲۸۲۹ تک اور ۲۸۴۰ سے

نمبر ۲۸۴۲ تک نقل کرتا ہوں۔

سوال نمبر ۲۸۱۵۔ کیا تم کو علم ہے کہ بنگال کے نیٹو اودھ میں اس وقت یوروپین نیل پیدا کرنے والونکی نقل اتار رہے ہیں۔ اور بہت سا نیل تیار کرتے ہیں۔ جو وہاں سے برآمد ہوتا ہے؟

جواب۔ اودھ کے نیٹو کچھ دن ہوئے۔ اس بازار کے لئے نہایت عمدہ نیل تیار کرتے ہیں۔ اسکی کسی قدر وجہ بلاشبہ یوروپین تاثیر اور مثال ہوسکتی ہے مگر میرے خیال میں اسکی زیادہ تر وجہ یہ ہے۔ کہ اس ملک کی چیزیں بوجہ خراب قسم کی ہونے کے فروخت نہیں ہوتیں۔ اور اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ان میں کچھ اصلاح کیجائے۔ پیشتر اس کے کہ کارخانہ داروں کے استعمال کے لئے انہیں پیش کیا جائے۔

سوال نمبر ۲۸۱۶ کیا پچیس تیس سال پہلے دیسی باہر بھیجنے کے لئے نیل تیار کرتے تھے۔ اور یوروپینوں نے ہی بالکل اس کو شروع نہیں کیا؟

جواب۔ یقیناً بالکل یوروپین نے ہی اس کو شروع نہیں کیا۔ کیونکہ نیل بطور رنگ ابتدائی زمانوں میں شرقیوں کو معلوم تھا۔ اور وہ اسے استعمال میں لاتے تھے۔ اور صرف وہی اس کو باہر ہی بھیجتے تھے۔ گذشتہ سالوں میں بنگال میں نیل کی بڑی وسیع ساخت انگریزی کاروبار اور سرمایۂ سے بلاشبہ منسوب کیجاتی ہے۔ لیکن بنگال کی موجودہ پیداوار (اودھ کی پیداوار شمار میں نہ لاکر) میں سے بیس ہزار صندوق صرف دیسی ہی پیدا کرکے تیار کرتے ہیں۔ اور کلکتہ کے دیگر دیسیوں کے حوالہ کرتے ہیں۔ بعض دیسی نمونے بالکل یوروپین کارخانوں کے نہایت خوبصورت نمونوں کے برابر نفیس ہیں۔ مگر یہ عام حالت نہیں ہے بہت تھوڑے دیسی سوداگر یہ چیز براہ راست یورپ کو بھیجتے ہیں۔ کیونکہ ان کو معلوم نہیں کہ کسی کے پاس بھیجیں۔ اس لیئے اس کا بہت سا حصہ یوروپین سوداگروں کے ذریعہ باہر جاتا ہے۔

سوال نمبر ۲۸۱۷ کیا وہ باشندے جو کلکتہ۔ مدراس۔ بمبئی میں شاہی عدالتوں کی

حفاظت ہیں رہتے۔ اور یوروپین سے روزمرہ راہ و رسم رکھتے ہیں۔ تعلیم اور ذہانت میں ان برٹش دیسی عام رعایا کے برابر یا ان سے برتر ہیں۔ جو مضافات میں صرف ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے نیچے ہیں۔؟

جواب۔ عام طور پر یہ قوم اندرونی حصہ کے ساکنوں سے زیادہ تعلیم یافتہ ہے مگر اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ اندرونی حصہ کے ساکنوں سے زیادہ آسودہ حالت میں رہتے ہیں۔ اور یوروپین نفاست کے ساتھ ہر روز مس کرتے ہیں۔ اگر اندرونی حصہ کی غربت عادتاً اپنے ساکنوں کو مصدقہ ذلیل حالت میں رکھتی ہے۔ جس سے انکے حالات اور اخلاقی عادات میں اصلاح ہونے کی کوئی امید نہیں ہوسکتی۔ پھر بھی انڈیا کے ہر ایک حصہ میں ایسے لوگ ابتک بیشمار پائے جاتے ہیں۔ جنکی طبعی لیاقت اور قابلیت پریزیڈنسیوں کے ساکنوں کے بالکل برابر ہے۔

سوال ۲۸۱۸ اگر کلکتہ اور بمبئی کی تجارت حسب سابق ایسٹ انڈیا کمپنی اور دیسیوں میں ہی سراسر رہتی۔ تو تمہارے خیال میں وہاں کے باشندوں کی حالت اسوقت کیا ہوتی؟

جواب۔ میرے خیال میں وہ یا تو ایک ہی جگہ ٹھہرے رہتے۔ اور یا کچھ پیچھے اتر جاتے۔ جیساکہ تمام ملکوں میں ہمیشہ ہوتا ہے۔ جو مطلق العنان حکومت اور پٹیہ کے ماتحت ہوتے۔

سوال ۲۸۱۹ تو موجودہ ترقی پذیر حالت تمہاری رائے میں اس ملک کے ساتھ تجارت کھولے جانے کی زیادہ تر وجہ ہے؟

جواب۔ ہاں۔

سوال ۲۸۲۰ کیا بمبئی کے باشندوں میں سے کوئی ایسے بھی تمہارے دیکھنے میں آئے ہیں۔ جو تجارتی پیشہ سے نفرت کرتے ہوں۔ یا اندرونی اور بیرونی تجارت میں مصروف ہونا نہ چاہتے ہوں۔ سوائے اس کے جو کافی ذرائع کی کمی کی وجہ سے پیدا ہو؟

جواب۔ مطلق نفرت نہیں کرتے۔ برخلاف اس کے یہ لوگ دیگر باشندگان ہند

کیطرح جنسے میں واقف ہوں۔ تجارتی اور حرفی پیشوں کے دلدادہ ہیں۔ اور انہیں کامیابی حاصل کرنیکے اچھی طرح قابل ہیں۔

سوال۔ ۲۸۲۵ کیا تم ان ٹیکسوں میں سے چند ایک بیان نہیں کرسکتے جنکی ملک کی تجارت پر زیادہ تر تاثیر اور روک پڑتی ہے۔ جسکی طرف تم نے خاصکر اشارہ کیا؟

جواب۔ جہاں مالیہ اس طرح وصول کیا جائے۔ جیسے کہ ہندوستان میں کیا جاتا ہے۔ اور اصولاً گورنمنٹ کل پیداوار کا نصف لینے کی مستحق ہو۔ اور بیشمار افسر جنکے اعمال کی نگرانی ناممکن ہے۔ اس معاملہ کی وصولی پر لگائی جائیں وہاں کے لوگوں کے لئے خواہ کوئی ہوں اخلاقاً ناممکن ہے۔ کہ وہ زندہ رہ سکیں۔ یا سرسبز ہوسکیں۔ اور ان کے ساتھ کسی وسیع حد تک تجارتی راہ و رسم جاری رہ سکے۔

سوال ۲۸۲۶ کیا یہ اقوال تمہارے ذاتی تجربہ کا نتیجہ ہیں۔ یا یہ تم کو اور لوگوں سے حاصل ہوئے ہیں؟

جواب۔ یہ میرے ذاتی تجربہ کا نتیجہ ہے۔ جو مجھے ہندوستان کے صوبوں میں ملازمت کے عرصہ میں حاصل ہوا۔ اور دیگر اضلاع کے متعلق واقفیت میں نے ان قیمتی کاغذات سے حاصل کی ہے۔ جو کورٹ آف ڈائرکٹرز نے چار جلدوں میں چھاپی ہے۔ اور نیز دیگر سرکاری اور مستند ذرائع سے۔

سوال ۲۸۲۷ کیا بمبئی اور مدراس کے ان علاقوں کے حصوں میں جن سے تم آگاہ ہو۔ پھلدار درختوں۔ مرچ۔ نیشکر۔ نیل۔ اور اسی قسم کے دیگر پیداوار پر مالیہ مقررہ اور نرم مالیہ ارضی ہے یا اکسائز کی قسم ہے؟

جواب۔ خواہ اسے کچھ کہو۔ مگر یہ ٹیکس نرم نہیں۔ جیسے کہ میں نے مذکورہ بالا کتاب میں بیان کیا ہے یہ بہت بھاری ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ بعض مثالوں میں زمین کی کل پیداوار سے بھی زیادہ ہے

سوال ۲۸۲۸ کیا تم اس بات کو اس طریقہ کے نیچے جو تم نے بیان کیا ہے۔

قابل عمل خیال کرتے ہو۔ کہ وہ چیزیں غیر ممالک میں پہنچانے اور دیگر ممالک کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے تیار کی جائیں؟

جواب۔ ایسا انہی ممالک میں ہو سکتا ہے۔ جہاں مذکورہ بالا بھاری ٹیکس نہ ہو۔ بنگال میں کسی قدر یہ طریقہ عمل میں آسکتا ہے۔ کیونکہ وہاں مدت سے استمراری بندوبست ہے۔ اور وہاں ان کا اصلی تباہ کرنیوالا دباؤ چنداں محسوس نہیں ہوتا۔ مگر ان سرزمینوں میں یہ بالکل ناممکن ہے۔ جہاں رعیت داری کا طریقہ جاری ہے یا ان زمینوں میں جہاں کل پیداوار کا ۴۵ فیصدی سے ۵۰ فیصدی تک اصلی سرکاری معاملہ وصول کیا جاتا ہے۔

سوال ۲۸۲۹ تم نے بیان کیا ہے کہ بعض حالتوں میں ٹیکس زمین کی پیداوار کے برابر ہے تو کیا جہاں ہندوستان میں ساری پیداوار ہی ٹیکس میں لے لی جاتی ہے۔ وہاں زمین کی کوئی فرضی قیمت ہے؟

جواب۔ مجھے ذاتی طور پر ایسی مثالیں معلوم ہیں۔ جہاں کل پیداوار سے زیادہ معاملہ وصول کیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں میں نے اور زمینیں بھی دیکھی ہیں۔ جہاں معاملہ اس تفصیل کے ساتھ لگایا گیا ہے۔ کہ چاول پیدا ہوتے ہیں پھلدار درخت ہیں۔ مرچ۔ انگور۔ اور دیگر چیزیں پیدا ہوتی ہیں مگر جب معاملہ کا مقابلہ زمین کے ساتھ کیا۔ تو ان کے سر میں سوائے اس کے کچھ نہ آیا۔ کہ وہ زمین محض جنگل ہے۔ جہاں جہاں مالکان زمین کو ہماری مالیہ کے انتظام سے کچھ نہ کچھ زمین سے متمتع ملتا ہے وہاں زمین کی فرضی قیمت ہے لیکن جہاں کل پیداوار سرکاری معاملہ میں ہی چلی جاتی ہے جیسے کہ رعیت داری یا مالی انتظام کے نیچے تو وہاں کی زمین کی

سوال ۲۸۴۰۔ عدالت۔ پولیس اور مالیہ کے اس قسم کے انتظام کے نیچے جو تم نے بیان کیا ہے کیا تم خیال کرتے ہو۔ کہ اس سے برٹش انڈیا کے باشندے دولتمند۔ آسودہ اور تاجر بنجاوینگے۔ اور اپنی تعداد اور اپنے ملک کی زرخیزی اور وسعت کے برابر اس ملک کے ساتھ تجارت چلا سکیں گے؟

جواب۔ نہیں۔ بالکل نہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو امید یا خواہش ہر دو ممالک میں تجارت کی نسبت کی جاسکتی ہے۔ اس کے لحاظ سے ہندوستان کے لوگ

کافی ناجر ہیں۔ اگر ویسیوں کی حالت۔ عادات۔ انکی ضروریات۔ ان کے حقوق اور اون کے فوائد پر توجہ رکھی جائے۔ تو باقی سب کچھ قدرتی طور پر ہی ظہور میں آتا رہے گا۔

سوال۔ ۲۸۴۱۔ کیا جو جواب تم نے دیا ہے۔ وہ بمبئی۔ مدراس اور دیگر پریزیڈنسیوں کے متعلق ہے۔ جہاں بندوبست مختلف قسم کا ہے؟

جواب۔ ہاں وہ سب کے متعلق ہے۔

سوال ۲۸۴۲۔ کیا تم ان حصوں کو جہاں بندوبست استمراری ہوگیا ہے مستثنیٰ نہیں کر سکتے؟

جواب۔ عدالتی انتظام کے متعلق تو کہیں بھی کوئی اختلاف نہیں۔ اس کو ہر جگہ ناکامی ہوئی ہے۔ اور یہ ہندوستان کی عادات اور ضروریات کے بالکل مناسب نہیں۔ مالی طریقہ بنگال میں بندریج ترقی پذیر ہوا ہے جسکی وجہ سے وہاں تجارت جاری ہوگئی ہے اور زمین سے زیادہ پیداوار حاصل کی جاتی ہے۔ جہاں معاملہ مقررہ اور ناقابل ہے۔ اس سے میں سمجھتا ہوں۔ کہ ہندوستان کے ساتھ تجارت کا راستہ کھلنے سے بنگال کی زمین کی قدر بڑھ گئی ہے۔ اور مالکان زمین کو لگان زیادہ اور بعض وقت بہت زیادہ وصول ہوتا ہے۔ جہاں سے پہلے بالکل کچھ نہیں آتا تھا۔ اور یا اتنا تھوڑا کہ چند اں کام نہ دے سکتا تھا۔

مذکورہ بالا شہادت سے عام طور پر کچھ اچھے نتائج نکلے۔ ہوس آف لارڈز اور ہوس آف کامنز میں جو مباحثے ہوئے ان کا نتیجہ نہایت عقلمندانہ تھا۔ جب کہ ایکٹ جو پاس ہوا۔ وہ نئے زمانہ کا شان و شوکت سے استقبال کرنیوالا تھا۔ مگر صرف لفظوں میں۔

ظاہر طور پر جو امیدیں ظاہر کی گئیں۔ ان سے جا سنچا جا سکتا ہے کہ نیا زمانہ شروع ہوگیا ہے۔ نئے آسمان اور نئی زمینیں جنمیں صرف راستبازی ہی غالب ہوگی۔ ہندوستانی اور انگریزی تعلقات کے مستقبل کیلیے پیدا ہونگی۔ شاید اگر دقیانی راہ و رسم اور دقیانی طاقت کا رفانوں کیلئے حرفت میں دنیا کی صورت کو

تبدیل نہ کردیتی۔ تو امن کا وقت جو ۱۸۳۳ء کے ایکٹ میں دکھایا گیا۔ مصیبت زدہ اور اس لیئے مظلوم انڈیا پر آجاتا۔ ہندوستان کی بدقسمتی سے مارکٹ کی پھر ضرورت پڑگئی۔ اور اس غلط خیالی سے کہ عظیم مشرقی سلطنت زیادہ خریدار اور زیادہ نفع دینے والے خریدار بہم پہنچائے گی۔ اگر لوگوں کو افلاس اور مغلوبیت میں رکھا گیا۔ جبراً وہ چیزیں وہاں بھیجیں گئیں۔ جنکی ہماری سمجھ میں ان کو حاجت تھی۔ بجائے اس کے کہ ہم انہیں مالدار بننے دیتے اور وہ اپنی مرضی سے ہم سے چیزیں خرید کرتے۔ اسطرح تیسرا دور تسلط کا شروع ہوا۔ جو ابھی تک رائج ہے۔ یہ وہ دور ہے۔ جسکی بدولت انگلینڈ کو لکھوکھا پونڈ ہاتھ آتے ہیں۔ مگر اس پالیسی سے لکھوکھا پونڈ لوگوں کی مرضی کے خلاف یہاں وصول ہوتے ہیں۔ تو ہم کو غالباً کروڑہا پونڈ وصول ہوتے۔ اگر ہم یہ کوشش کرتے۔ کہ لوگ ہم سے بچت کے روپیہ سے بہت سی چیزیں خرید کریں۔ نہ کہ صرف اتنی چیزیں خرید کریں۔ جو ان کے جسموں کو ٹھنڈی راتوں میں صرف آدھا ڈھانک سکیں۔ اور وہ ہی اپنی خوراک کا ٹکڑ جو اونکی صحت قایم رکھنے کے لیئے ضروری ہے۔

تسلط بذریعہ پوسٹ

صداقت سامنے کی کا دکھاوا۔ معہ ہندوستان کو قومی حالتیں پیش رکھنے کے

۱۸۳۳ء سے ۔ کب تک؟

اس دلی اطمینان کی روشنی میں جو ہر ایک انگریز کے دل میں حبشی غلاموں کو آزاد کرنے اور ملکی آزادی اور انسانیت کی ترقی کے متعلق عام طور پر غالب امید باندھنے سے حاصل ہوئی اسٹیٹ انڈیا کمپنی کے چارٹر کی ۱۸۳۳ء میں تجدید ہو گئی۔ وہ روشنی اس کتاب کے صفحوں میں بھی دکھائی گئی ہے۔ اور اس وقت کی تقریروں کی بعض فقرات اس میں چھاپے گئے ہیں۔

ٹامس بیبنگٹن میکالے نے توجہ ہی کر دی۔ جو اس وقت لیڈز کا ممبر تھا جس نے پہلے تو بحیثیت ہندوستان کے قانونی وزیر کے اور بعد ازاں بحیثیت ممبر پارلیمنٹ کے خود بخود ہی دکھایا۔ کہ جو کچھ اس نے کہا صرف زبان سے کہا نہ کہ دل سے۔ اس وقت کی گورنمنٹ آف انڈیا پر غور کرتے ہوئے۔ اس نے یہ ریمارک کیا کہ میں دیکھتا ہوں۔ کہ گورنمنٹ پبلک کے فائدہ کی خواہشمند ہے۔ اسکی غلطیوں میں بھی ہمیشہ لوگوں کے ساتھ جو اسکی سپردگی میں آئے ہیں۔ اسکی مدبرانہ شفقت نظر آ رہی ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔ کہ کوئی دست اندازی بھی نہیں کی جاتی۔ پھر بھی ہندو نیچ خوبی اور وحشیانہ توہمات کافور ہو رہے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں یورپ کا اخلاق۔ فلاسفی اور مذاق ہماری رعایا کے دل اور ذہن پر نہایت اچھا اثر ڈال رہے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں۔ کہ ہندوستان کا ہر ایک دل جو پولیٹیکل اور مذہبی ظلم کی نہایت بری صورتوں سے نہایت کمینہ اور ذلیل حالت پر پہنچ گیا تھا۔ گورنمنٹ کے منشاء اور انسانی سوشل فرائض کے شریفانہ اور جائز خیالات سے معمور ہو رہا ہے۔" اتنا ہی نہیں۔ بلکہ اس نے بڑی فصاحت اور وضاحت کے ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے۔ کہ ہندوستان کو

انگلینڈ سے کیا فایدے پہنچیں گے۔ اُس نے کہا۔

پھر بھی اس بل میں ایک حصہ ہے بعد اس کے جو کچھ اور جگہ پاس ہوا ہی جس پر چند الفاظ کہنے پر میں اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں۔ میرا اشارہ اس دانا فیاض اور شریفانہ فقرہ کیطرف ہی جس کے رو سے ہماری ہندی سلطنت کا کوئی باشندہ ہی بوجہ اپنے رنگ۔ نسب۔ یا مذہب کے۔ کوئی عہدہ دار ہونیکے ناقابل نہیں۔ خواہ مجھے وہ لقب دیا جائے۔ جیسے خود غرض اور تنگ دل لوگ سب سے بُرا لقب قرار دیتے ہیں۔ یعنی فلاسفر کا مجھے لقب دیا جاوی تو بھی میں اپنی زندگی کے آخری دن تک ہی کہوں گا کہ مجھے اس بات کا فخر حاصل ہے۔ کہ میں بھی ان میں سے ایک ہوں۔ جنہوں نے یہ بل تیار کیا ہے جس میں مذکورہ بالا فقرہ ہے۔

اگر بڑی خود غرضی کے خیال کو ہی مدِّ نظر رکھا جائے۔ تو بھی ہمارے لیئے یہ بہت بہتر ہے۔ کہ ہندوستان پر اچھی حکومت ہو اور ہم سے آزاد رہیں۔ بجائے اس کے کہ ان پر بُری حکومت ہو۔ اور ہمارے ماتحت رہیں۔ بہتر ہے کہ ان پر ان کے اپنے بادشاہ حکمران ہوں۔ مگر ہمارا کپڑا پہنتے ہوں اور ہمارے چاقو چھریاں استعمال کرتے ہوں۔ بجائے اس کے کہ انگریز کلکٹروں اور مجسٹریٹوں کو سلام کرتے ہوں۔ مگر انگریزی دستکاریوں کی قدر کرنے میں بے سمجھ اور ان کو خرید کرنے کے لیئے مفلس ہوں۔ مہذب آدمیوں کیساتھ تجارت کرنا بہتر ہے بہ نسبت وحشیوں پر حکمرانی کرنے سے۔ بیشک یہ بڑی نادانی[1] ہوگی۔ اگر ہم ہندوستان کو ماتحت رکھنے کے خیال سے اس کو نکما اور بار خاطر بنا لیں۔ اور صرف اونکو اپنا غلام بنائے رکھنے کی خاطر کروڑہا آدمیوں کو اپنا گاہک بننے سے روک رکھیں۔ برنیر نے لکھا ہے کہ بعض کمینہ ظالموں کی جو اسے ہندوستان میں ملے یہ عادت تھی۔ کہ جب رعایا میں سے کسی شہر آوردہ

---

[1] یہ نادانی اسوقت ہی غالب تھی۔ اب بھی قریباً ستر سال بعد غالب ہے۔ جو کچھ میکالے نے اس وقت بُرا سمجھا تھا۔ وہ اسوقت ہمارے انتظام حکومت کا بالکل مشابہ ہے۔ جسکا ثبوت ساتویں باب میں دیا گیا ہے۔

شخص کی سپرٹ اور قابلیت سے ان کو اندیشہ ہوتا۔ اور اُسے قتل کرنے کی بھی وہ جرأت نہ کر سکتے۔ تواس کو ہر روز پوست پلانا شروع کر دیتے جس کا اثر یہ ہوتا کہ چند ماہ میں اسکی جسمانی اور ذہنی قوا میں ضعف آجاتا اور وہ بالکل دیوانہ ہو جاتا۔ یہ قابل نفرت طریقہ جو قتل سے بھی زیادہ خوفناک ہے۔ یہ انہی لوگوں کے لائق تھا۔ انگریزی قوم کے لئے یہ اچھا نمونہ نہیں ہو سکتا۔ ہمیں تمام جماعت کو پوست پلانے پر رضامند نہ ہونا چاہئے۔ تاکہ صرف انکو اپنے ماتحت رکھنے کے زبون مطلب کے لئے ان لوگوں کی عقل زائل کر دیں۔ وہ ان کو کمزور کر دیں جنہیں خدا نے ہمارے سپرد کیا ہے وہ طاقت ہی کس کام کی جسکی بنا بدی۔ جہالت۔ اور ذلت پر ہو۔ اور جیسے صرف اسی طرح ہی اپنے ہاتھ رکھ سکتے ہیں۔ کہ ان مقدس فرائض کی خلاف ورزی کریں۔ جو بحیثیت حاکم ہونے کے محکوم رعایا کیطرف سے ہمارے ذمہ ہیں۔ اور بحیثیت غیر معمولی پولٹیکل آزادی اور عقلی روشنی رکھنے کے ہمیں ان لوگوں کو عطا کرنے ضروری ہیں جو تین ہزار سال کی مطلق العنان حکومت اور کہانت سے پائمال ہو رہے ہیں۔ ہمارا آزاد رہنا اور مہذب ہونا کسی کام کا نہیں اگر ہم اس کے برابر آزادی اور تہذیب بنی آدم کے کسی حصہ کو دینے میں بخل کریں۔

کیا ہمیں ہندوستان کے لوگوں کو جاہل رکھنا چاہئے۔ اس لئے کہ ہم انہیں مغلوب رکھیں؟ یا کیا ہم خیال کر سکتے ہیں کہ ہم انہیں علم پڑھائیں گے تو ان میں اعلیٰ تمنا پیدا نہ ہوگی؟ یا کیا ہم اعلیٰ تمنا تو ان میں پیدا کر دیں مگر اس کے حصول کا کوئی جائز راستہ ہم نہ بہم پہنچائیں؟ کون شخص ان سوالات کا جواب نفی میں دے سکتا ہے؟۔ ہاں ایک سوال کا جواب اثبات میں وہ لوگ دے سکتے ہیں جو یہ قرار دیتے ہیں۔ کہ دیسیوں کو اعلیٰ عہدوں سے ہمیشہ کے لئے محروم رکھا جائے۔ لیکن مجھے کسی بات کا ڈر نہیں۔ فرض کا راستہ ہمارے سامنے صاف پڑا ہے اور یہی راستہ دانائی۔ قومی خوشحالی اور قومی عزت کا ہے۔

ہماری ہندوستانی سلطنت کی قسمتیں گہری تاریکی کے پردہ میں پڑی ہوئی ہیں اس بات کا قیاس کرنا نہایت مشکل ہے۔ کہ اس ملک کا انجام کار

کیا حشر ہوگا جسکی نظیر تاریخ میں پائی نہیں جاتی۔ اور جو بجائے خود پولیٹیکل نادرالظہور کا ایک الگ ٹ بلا فریق ہے اس کے عروج و زوال کے قوانین سے ہم ابھی تک آگاہ نہیں ہوئے۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ ہندوستان کا پبلک دل ہمارے طریقہ انتظام میں اتنا بڑھ جائے کہ ہمارے طریقہ انتظام سے بالاتر ہو جائے۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ اچھی حکومت سے ہم رعایا کو تعلیم دے کر بہتر حکومت کے لائق بنا دیں اور وہ یورپین علوم کی تربیت پاکر کسی آئندہ زمانہ میں ہم سے یورپین آئین کے خواستگار ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ ایسا دن کبھی آئیگا یا نہیں۔ لیکن اگر وہ آجائے تو میں کبھی اس کو روکنے اور تاخیر میں ڈالنے کی کوشش نہ کروں۔ جب وہ دن آئیگا۔ تو وہ انگلینڈ کی تاریخ میں بڑی فخر کا دن ہوگا۔ ایسے لوگوں کو پاکر جو غلامی اور توہمات کی ذلیل ترین گہرائی میں غرق ہو رہے تھے۔ ان پر ایسی طرح سے حکومت کرنا کہ وہ شہریت کے تمام حقوق کے خواستگار اور قابل بن جائیں۔ بلاشبہ ہمارے لئے بڑے فخر کا مقام ہوگا۔ حکومت کا عصا ممکن ہے ہمارے ہاتھ سے نکل جائے۔ تا اندیشیدہ واقعات ہماری پالیسی کی گہری تجاویز کو تہ و بالا کردیں۔ ہماری افواج کو فتح حاصل نہ ہو سکے مگر بعض ایسی فتوحات ہیں۔ جنکے پیچھے شکست نہیں آتی۔ ایک ایسی سلطنت ہی ہے۔ جو فطرتی زوال سے مستثنیٰ ہے وہ فتوحات عقل کی خاموش فتوحات وحشیانہ پن پر ہیں۔ اور وہ سلطنت ہماری کبھی نہ مرنیوالی سلطنت۔ ہمارے ہنر۔ ہمارے اخلاق۔ ہمارے لٹریچر۔ اور ہمارے قوانین کی ہے" (امپکالیے کی اسپیچیں۔ صفحہ ۸۷)

اس پر بھی ہم اس سڑک پر جو ایسی عقلمندی اور جرأت سے دکھائی گئی۔ صرف چند اور وہ بھی آہستہ قدم ہی چلے ہیں۔ ہندوستان کے لوگ اس وقت کی بہ نسبت اب بہت ہی زیادہ مفلس ہیں ایک ضلع میں سنہ ۱۹۰۰ء میں ۸۵ فیصدی معاملہ سرکاری حکام کو براہ راست ساہوکاروں نے ادا کیا۔ کیونکہ کاشتکار اپنے پاس سے معاملہ دینے کے بالکل ناقابل تھے۔ جبکہ دنیا بھر میں سر بر آوردہ طبی رسالہ

لہ رسالہ لانسٹ جون سنہ ۱۹۰۱ء مذکورہ بالا تخمینہ اس کے صفحات قحط میں درج ہے اور جس

آپنے بمبئی کے کارسپانڈنٹ کے ذریعہ تخمینہ لگاتا ہے۔ کہ انیسویں صدی کے آخری دس سال میں ایک کروڑ نوے لاکھ آدمی برٹش رہایا ء ہند کے صرف فاقہ سے مرے ہیں۔ اور دس لاکھ پلیگ سے۔ ہم اس تشریح لفیانہ اور فیاضانہ قانن سے جو ستر سال پہلے تھی۔ اور جبکہ میکالی نے تمام لوگوں کی تحسین وآفرین ہیں ایسی شاندار سکیم انتظام اور ترقی کی بیان کی۔ ایسے گر گئے ہیں کہ مذکورہ بالا قول ایسے درومندانہ پیشہ کے ممبروں کے دل میں جنکا رسالہ لانسٹ وکیل ہے کسی قسم کی دلچسپی بھی پیدا نہیں کرتا یہانتک کہ خود ایڈیٹر نے بھی اپنے کارسپانڈنٹ کے بیان پر اپنی طرف سے کچھ حاشیہ چڑھانا ضروری خیال نہیں کیا۔ ڈاکٹر معہ قریباً تمام دیگر انگریزوں کے خیال کرتے ہیں کہ جو مصیبت ہندوستانی برداشت کر رہے ہیں۔ اگر اس کا بیسواں حصہ بھی انگلینڈ پر پڑے تو ملک میں بغاوت ہو جائے۔ اور یہ خاموش اور بالکل مطمئن پیشہ ور جنٹلمین اس بغاوت کے سرغنوں میں پائے جائیں۔ اتنے لاکھ آدمیوں کی ہندوستان میں موت۔ مروجہ انگریزی خیالات میں ایسی معمولی خفیف سی بات سمجھی جاتی ہے۔ کہ بیس لاکھ ہندوستانیوں کا بحساب اوسطاً سالیانہ دس سال تک متواتر مرتے جانا جب ایک طبی رسالہ میں مذکور ہوا۔ تو ایسے خوفناک بیان پر ذرا سا تعجب یا افسوس بھی ظاہر نہ کیا گیا۔! جبکہ ایسی مصیبت وارد ہو رہی ہے جسکی نظیر دنیا بھر میں نہیں مل سکتی۔ تو مصنف کے سننے میں آیا ہے کہ لارڈ جارج ہملٹن بحیثیت وزیر ہند۔ ہوس آف کامنز میں اور لارڈ کرزن آف کڈلسٹن بحیثیت وائسرائے اور گورنر جنرل کشور ہند کے میکالے کے الفاظ کے معانی اپنے اوپر مصداق کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم حاکم ہندوستان کے پبلک فایدہ پر نہایت فکر کے ساتھ تلے بیٹھے ہیں۔ اور وہ اپنے سینہ میں ان لوگوں کے لیئے نہایت پدرانہ شفقت محسوس کرتے ہیں جو ان کے حوالہ کیئے گئے ہیں۔ باوجود اس کے جو بات اٹھارہ سو سال گذرے ہیں ناممکن خلاف اعتقاد

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۱۔ کتاب میں دو جگہ اس کو درج کیا گیا ہے جسکے لیئے میں کوئی عذر خواہی نہیں کرتا۔ "ایک دفعہ کا چھاپا جانا شاید کافی نہ ہو" اور پھر چھاپا جانا بے فایدہ نہ ہو کیونکہ حافظ اگر ایک دو دفعہ خطا کر جائے۔ تو پھر تیز ہو سکتا ہے۔ اگر ہم پھر چھاپیں"

خدا تھی۔ اور بنی آدم کے نجات دہندہ نے اس لیئے اس کا ذکر کیا کہ وہ عملاً ناممکن تھی۔ آج نہ صرف ممکن ہی ہے بلکہ دراصل وقوع پذیر ہے۔

"لارڈ جارج ہملٹن اور لارڈ کرزن سے ہندوستانی روٹی مانگتے ہیں اور انہیں پتھر[1] ملتا ہے وہ انڈا مانگتے ہیں اور انہیں بچھوا ملتا ہے"۔ گو یہ واضح فیکٹ ہی مگر میرے اس کے بیان کرنے سے جو پھر بھی فیکٹ رہتا۔ خواہ میں اسے بیان کرتا یا نہ کرتا۔ اُن معزز امرا میں سے ہر ایک ہی سمجھے گا۔ کہ میں نے اس کی سخت ہتک کی ہے مگر فیکٹز اور ناقابل انکار اور شفاف فیکٹز کے خلاف خواہ نیت کیسی ہی اچھی ہو۔ ان نتائج کی ذمہ واری کم کرنے کے عذر کے طور پر کام نہیں آسکتی۔ جو ایک آدمی کے کرنے یا نہ کرنے سے پیدا ہوں۔ نہ جہاز کے کپتان کی حالت میں یہ کام دے سکتی ہے خواہ جہاز چھوٹا سا ہو۔ اور خواہ جنگی جہاز ہو۔ اور نہ ہی ایک انجن ڈرائیور کو کام دے سکتی ہے لیکن یہی کافی عذر سمجھا جائیگا اگر کپتان جہاز اور انجن ڈرائیور حکمران سمجھے جائیں اور لوگ کالے چمڑے کے ہوں۔ اور کالے چمڑے والے انگریزی رعایا ہی ہوں تو بھی اسمیں کچھ فرق نہیں آئیگا یہ صورت حال کسطرح پیدا ہوئی؟ کیوں آج ہم ان واقعات کو تبسم آمیز خطرہ سے دیکھتے ہیں جنسے ایک پشت پہلے ہمارے دل ہل جاتے تھے؟ کیوں اب برٹش دل میں وہ شریفانہ رحمانہ خیالات موجزن نہیں ہوتے جو میکالے نے ہندوستان کے بارہ میں ظاہر کیئے؟ کیا سبب

---

[1] فی الواقع پنجر۔ ٹائمز آف انڈیا میں ایک برٹش کرنل جو قحط کے امدادی کام پر لگایا گیا تھا۔ اپنے علاقہ کے لوگوں کی بابت بیان کرتا ہے کہ وہ ایک قسم کا پتھر پیس کر جو تھوڑی سی خوراک میں جو انہیں ملسکتی تھی آمیز کر کے کہاتے تھے۔ اس سے ان کی انتڑیوں کو ضرر پہنچتا۔ اور اکثر وہ مر جاتے تھے۔ یہ بڑی قابل رحم بات ہے کہ پرورش کرنیوالی خوراک تو ملک میں موجود ہے مگر لوگوں کے پاس کچھ نہیں کہ اس سے خرید کر سکیں۔ کاش انڈیا آفس کی مالی ضرورت اتنی بڑی نہ ہوتی جس ذریعہ سے لوگوں کو خوراک مل سکتی تھی۔ وہ پینشنوں اور سود وغیرہ کے لیئے درکار تھا۔ جو رقم چھپای کروڑ پونڈ تک پہنچتی ہے جو انڈیا ہوس اور انڈیا آفس نے ۱۹۳۵ء انگلینڈ میں خرچ کی ہے۔

ہے کہ ہندوستان میں گورنر منرو اور الفنسٹون جیسے نہیں بھیجے جاتے نہ سول میں ریکرڈز یا جان سلوین جیسے ہیں۔ نہ ہی فوجوں میں کوئی سر ہنری سمتھ جیسا ہے؟ ہزاروں سول اور فوجی افسروں میں ملازم یا پنشن خوار کتنے ہیں جنکے نام ان کے برابر لئے جاسکتے ہیں؟ گذشتہ پبلک کمیٹی جو اخراجات ہند کی تحقیقات پر بیٹھی تھی۔ سوائے سر ولیم ویڈربرن کے اور کوئی اس قماش کا آدمی نہیں تھا۔ اور اس کے پاس ہی انگریزی ذریعہ خبر کا صرف مسٹر ڈبلیو۔ ایس۔ کین تھا۔ ہاں ایک ہندوستانی ممبر دادا بھائی نوروجی اس کمیشن میں شامل تھا۔ اور دیسی گواہوں میں سر نارو تاجی سبز جی۔ دنشا ڈی۔ واچا جی۔ دی گوکھلے۔ جی بھرا مانیا آئر تھے۔ جنہوں نے ریکرڈز اور سلوین کے خیالات کا اعادہ کیا۔

مگر ایسا کیوں ہے؟

کیونکہ جس پوسٹ کا ہربرٹ نے ذکر کیا ہے اس کے مہلک نتیجے اس کے ساتھ لازمی ہیں۔ اور انگریزی پوسٹ نے ہماری اور خصوصاً ہندوستانی لوگوں کے اخلاق اور ذہنی قوا پر بُرا اثر کیا۔ مگر باقی دیگر امور میں ہم بدستور ہوشیار رہے۔ ہماری تو صرف ہمدردی، سلف رسپکٹ اور راستبازی ہی زائل ہوئی۔ مگر ہماری کمینہ خاصیتیں زیادہ تیز ہوگئیں۔ ہمیں اپنی پیداوار کے لئے مارکٹ کی ضرورت محسوس ہوئی اور ساتھ ہی ہمیں اس بات کا خوف رہا۔ جو ہم تسلیم تو کرتے ہیں۔ مگر بڑی احتیاط سے مخفی رکھتے ہیں کہ اگر ہندوستانیوں کو وائسرائے یا صوبہ کی کارکن کونسلوں میں، یا وزیر ہند کی کونسل میں جگہیں مل گئیں۔ تو منطقی طور پر یہ ممکن ہو جائیگا کہ کسی وقت انڈیا کو سلف گورنمنٹ حاصل ہو جائے۔ یہ باتیں ہماری مطلق بے پرواہی اور غفلت کے باعث ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم بڑے بڑے وعدے کرتے ہیں اور پھر انہیں توڑتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم بہانہ کرتے ہیں کہ ہم ہندوستانیوں کے لئے اپنے ملک کے اعلٰی عہدوں کی قابلیت حاصل کرنے کے لئے رستہ صاف کر رہے ہیں۔ مگر پھر ہم انہیں ان

عہدوں سے فریب دیکر محروم رکھتے ہیں۔ جو ہم نے ان کے لیے اعلان کیے ہوتے ہیں۔ جب وہ اپنے آپ کو ان کے قابل ثابت کرتے ہیںؔ ہم ہندوستان کو دودھ دینے والی گائے سمجھنے کے ایسے عادی ہو رہے ہیں گو ہم ایسے ناشائستہ اور نامناسب اظہار کو استعمال کر کے اپنی حسوں اور جذبات کو وحشت زدہ نہیں کرنا چاہتے۔ کہ ایک خفیف سی چیز بھی جو موجودہ حالات میں دست اندازی کرتی ہمیں دکھائی دے۔ وہ اس کے بالکل خلاف نظر آتی ہے۔ جس کا خدائے مسبب الاسباب نے ہماری نسبت فیصلہ کر دیا ہے۔ اور جو یہ ہے جیسا کہ ہر ایک جانتا ہے کہ برٹش قوم خدا کی اپنی ہے اور وہ بُرا کرنے کے لائق ہی نہیں۔ انڈیا ہماری چلبھی ہے اور سمندر کے جزیروں پر ہم نے اپنی جوتی رکھ دی ہے۔

"جو کچھ ہو رہا ہے۔ بہتر ہو رہا ہے"

میں نے وزیر ہند کو ہوس آف کامنز میں ایسا کہتے ہوئے سنا ہے۔ اس لئے ایسا ضرور ہی ہونا چاہیئے۔ بس بحث کا یہاں خاتمہ ہے۔ اور ان بدراہ لوگوں کو ہی صبر کے ساتھ خاموش ہو جانا چاہیے۔ جو واپس نہ لینے والی شہادت ہاتھ میں لیے ہوئے اس کے خلاف اصرار کرتے ہیں۔ جو کچھ ہم ہندوستان کی بابت یقین کرنا پسند کرتے ہیں۔ بس وہی درست ہے اگر شہادت اس کے خلاف ہے۔ تو وہ شہادت بہت بُری ہے ہم جانتے ہیں کہ ہم ہندوستان کی بہتری کر رہے ہیں اور اتنا ہی علم ہمارے لئے کافی ہے اس کے ماسوائے جو رائے ہو وہ قابل ملامت ہے اگر مجرمانہ نہیں۔

لہ لارڈ لٹن نے ایک ڈسپیچ میں وزیر ہند کو لکھا۔ جو ہیں ایکٹ ۱۸۳۳ء کا پاس ہوا وہیں گورنمنٹ عملاً اس کو ایفا کرنے کے لیے پس و پیش کرنے لگی۔۔۔۔۔ ہم کو انہیں ہوکنے اور دھوکا دینے میں سے ایک بات چننی تھی اور ہم نے کمترین سیدھا راستہ چنا ہے۔۔۔۔ ہمیں اس ایکٹ کو منسوخ کر کے ردی کا غذ بنانے کے لئے دانستہ اور صاف فریب بازیاں کرنی پڑی ہیں۔۔۔۔ میں یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتا۔ کہ گورنمنٹ آف انگلینڈ اور گورنمنٹ آف انڈیا دونوں ہی اس الزام کا تسلی بخش جواب دینے سے اسوقت تک عاری ہیں کہ انہوں نے پورے معنوں میں اپنے وعدوں کو پورا کرنے کی کوشش کی جن سے انہوں نے ہندوستانیوں کے کان خوش کئے تھے

تتمّہ جات

نمبر ۱

ریوینو مجالس شورا کا انتخاب۔ فورٹ ولیم

۱۷۔ مارچ ۱۷۷۵ء

آنریبل مسٹر مانسن۔ گذشتہ مجلس شوریٰ کی کارروائی سے معلوم ہوتا ہے کہ برج کشور نے جبکہ وہ کلکتہ میں چند یوم رہا تسلیم کیا ہے کہ اس نے ۸۴۲۵۰ روپیہ کی رقم کونسل کے ممبروں کو نذرانہ دینے میں ناجائز خرچ کی ہے انہیں سے مسٹر کو کسی کو بھی نذرانہ نہ اور اپنے اخراجات ہی برداشت کئے ہیں اسطرح اس نے رانی کی مرضی کے خلاف راجہ کے دیوان کا عہدہ اپنے لئے حاصل کیا اس کے حساب میں بہت سا روپیہ مختلف آدمیوں کو دیا جانا ثابت ہوتا ہے ۲۴۴۸۵ روپیہ کی بڑی رقم مسٹر گریہام کو دیگئی ہے اور ۳۰۲۴۵ روپیہ بوبی چرن متر کو جو مسٹر گریہام کا رندہ تھا۔ ۵۵۰۰ کنٹو بابو کو جو مسٹر ہسٹینگز کا رندہ تھا اور ۵۰۰ روپیہ کشن چرن چٹرجی کو جو کنٹو بابو کا ملازم ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ برج کشور راجہ کا بڑا نالائق اور روپیہ ضائع کرنیوالا اہلکار ہے۔ رانی کے ساتھ بے ادبی سے پیش آتا ہے۔ اور کمپنی کے ملازمونکو بدنام کرتا ہے جبتک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ جو روپیہ اُس نے حساب میں دکھایا ہے درحقیقت ان جنٹلمینوں کو وصول ہوگیا ہے تب تک میرے خیال میں ایسا آدمی کمپنی کی ملازمت میں نہیں رہنا چاہئے۔ اور راجہ کے پاس یا اس کے گھرانے میں ایسا آدمی ہرگز کسی اعتبار کے عہدہ پر نہیں رکھنا چاہئے اس لیئے میں تحریک کرتا ہوں۔ کہ برج کشور راجہ کی ملازمت سے یک قلم موقوف کر دیا جائے۔ اور رانی کو اجازت دی جائے۔ کہ وہ کوئی اور آدمی رکھ لے جسے وہ صغیر سن راجہ کی تعلیم اور گھرانے کے انتظام کے لئے پسند کرے۔

بورڈ کو اس تحریک کے ساتھ کلی اتفاق ہے۔

انتخاب کارروائی کمیٹی مالیہ۔ فورٹ ولیم۔ ۱۲۔ مئی ۱۷۷۵ء

راجہ بردوان وکیل کی مندرجہ ذیل عرضی اور کاغذات پڑھے گئے۔

بخدمت آنریبل وارن ہسٹینگز اسکوائر پریزیڈنٹ و گورنر کونسل ریونیو۔

جناب وجنابان عالی۔

میں مندرجہ ذیل کاغذات عرضی کے ہمراہ شامل کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ جو پیشکار روپ نرائن چودھری نے برج کشور کے حساب میں سے تغلب کی رقمیں نکال کر تیار کئے ہیں۔ اس لئے کہ بردوان کا حساب ایک ہی مد میں آجاتے ہیں نے وہ حساب بھی اسمیں درج کردیا ہے۔ جو دس مارچ کی مجلس شورا میں پیش کیا گیا تھا۔

اخراجات دربار جو برج کشور رائے نے
ناجائز طور پر خرچ کئے
نقدی جو مندرجہ ذیل اشخاص کو بنگال سنہ ۱۱۷۴ سے
ماہ پوہ سنہ ۱۱۸۱ء تک دی گئی۔

	روپیہ
مسٹر جان گریہام بموجب حساب ۱ جو دس مارچ کو کونسل میں دیا گیا	۲۰۲۴۸۵
〃 〃 حساب ۲ 〃 〃	۳۶۰۶۵
	۲۳۸۵۵۰
آنریبل مسٹر سٹوارٹ بموجب حساب ۳	۲۱۷۹۸۴
مسٹر بیچر حساب ۴	۲۱۰۰
مسٹر جیمیس الگزینڈر حساب ۵	۳۱۰۰۰
مسٹر ہیٹنگز بموجب حساب ۱۱ جو دس مارچ ۱۷۷۵ء کو کونسل میں پیش کیا گیا	۱۵۰۰
مسٹر جارج ونسٹارٹ بموجب خاص حساب ۶	۳۵۴۰۰
مسٹر میکڈانلڈ بنگالی سنہ ۱۱۷۹ ۳۰-اسیبن- بدست-	
رامو پوڈر پراونشل خزانچی	۵۰۰
مسٹر فلیٹ وڈ بموجب حساب ۷	۲۳۴۵۰
مسٹر شاٹ ماہ اوگم بنگال سنہ ۱۱۸۱ بدست رامو پوڈر	
مگر ماہ پوہ میں حساب قاضی دان میں	۴۰۰۰
مسٹر سوین- بنگالی سال سنہ ۱۱۷۹ ۲۰ دین اساڑ	
بدست رامو پوڈر- کالی پرشاد بوس سے ۔۔۔۔	۶۰۰۰

کرنل ہمپل بموجب حساب ۵	...	۳۰۰۰
مسٹر سموئیل لوئیس بنگالی ۱۱۸۱ء ۲۷ سراین		
بدست راموبودھ پراونشل خزانچی	—	۲۰۰۰
مسٹر گوڈلیڈ بموجب خاص حساب ۹		۱۰۰۰۰
بوبنی چرن متر بموجب حساب ۵		
جو ۱۰ مارچ ۱۷۷۵ء کو نسل میں پیش کیا گیا	—	۳۰۴۲۵
ایضاً حساب ۱۰	۵۰۵۰۰	۸۰۱۲۵
کالی پرشاد بوس حساب ۱۱	———	۱۰۱۶۷۵

اور خفیف رقیں کل میزان ۶-۱۱-۴ ۱۲۰۵۰۵

دستخط

روپ نرائن چودہری کلکتہ ۹ مئی ۱۷۷۵ء

نمبر (۲)

۱۸۳۱ء کی تحقیقات میں ہندوستانیوں کی قابلیت متعلقہ عہدہائے ہندوستان کی تعریف

جان سلوین صاحب کلکٹر کوئمباٹور کی شہادت

مسٹر جان سلوین آف مدراس سروس نے مندرجہ ذیل شہادت دی۔

سوال ۱۷۶۹ء تم نے نیٹو کیریکٹر کی بابت جہانتک تمہیں دیکھنے کا موقعہ ملا ہے اچھی رائے دی ہے کیا تمہاری یہ رائے صرف کوئمباتور کے باشندوں کے متعلق ہے۔ یا عام طور پر جزیرہ نما کے کل باشندوں کے متعلق ہے؟

جواب۔ جہانتک مجھے دیکھنے کا موقعہ ملا ہے میری یہ رائے عام ہے۔

سوال ۱۷۷۰ء کیا تم نے بمبئی اور کلکتہ دیکھا ہے؟

جواب۔ ہاں۔ دیکھا ہے۔

سوال ۲۷۷۱ تو اسطرح تم اپنے ذاتی تجربہ سے کہہ رہے ہو؟

جواب۔ میری رائے انکی نسبت بڑی اچھی ہے۔ خصوصاً بمبئی کے پاربیوں کی نسبت۔

سوال ۲۷۷۲ کیا تم اتنا ہی اعتبار دیسیوں پر کر سکتے ہو۔ جتنا کہ اپنے ہموطنوں پر ؟

جواب۔ کیوں نہیں۔ اگر اونکے ساتھ مساوی سلوک کیا جائے۔

سوال۔ ۲۷۷۳ کیا وہ سوسائٹی کے درجہ میں ترقی کے دل سے خواہشمند نہیں ہیں؟

جواب۔ میرا خیال ہے کہ وہ بڑے خواہشمند ہیں اور موجودہ ذلیل حالت میں رکھے جانیکو سخت محسوس کر رہے ہیں۔

سوال ۲۷۷۴ جہانتک تمہیں دیکھنے کا موقعہ ملا ہے کیا یہ خیال عام طور پر ہندوستان میں نہیں پایا جاتا؟

جواب۔ جہانتک میرا مشاہدہ ہے یہ خیال عام ہے۔

سوال ۲۷۷۵ کیا وہ اس بارہ میں اپنی دنیاوی حالت سے بھی زیادہ فکرمند نہیں ہیں؟

جواب۔ ہاں۔ میرے خیال میں جو خیال اون کے دل کو بڑا ہی عزیز ہے۔ وہ یہ ہے کہ اُن پر اعلیٰ عہدے رکھنے کا اعتبار کیا جائے اور اون کو وہی فایدے حاصل ہوں۔ جو ہندوستان میں ہمارا قبضہ ہونے سے پہلے ان کو حاصل تھے۔

سوال ۲۷۷۶ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ جہاں کہیں تم نے دیسیوں پر اعتبار کیا ہے۔ انہوں نے اپنے فرایض ایمانداری کے ساتھ ادا نہیں کئے؟

جواب۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ مجھے بھی اُن لوگوں کیطرح شکایت کرنی پڑی ہے جن کے اعتبار کا غلط استعمال کیا گیا۔

سوال ۲۷۷۷ کیا تمہاری یہ رائے نہیں کہ اگر دیسیوں کو جرأت دلائی جائے

اور ملک کی حکومت میں انہیں زیادہ عہدے دیئے جائیں۔ تو وہ اپنی حالت میں اصلاح کر لیں گے؟۔

جواب۔ میری یہ قطعی رائے ہے اور میرے خیال میں اسوقت یہی بہتر ہوگا۔ کہ مال کا تفصیل کام اور ابتدائی جوڈیشل کام سب کا سب دیسیوں کے سپرد کیا جائے۔ یورپین صرف اون کے نگران رہیں۔ دیسی ابتدائی کام یوروپینوں سے زیادہ اچھی طرح کر سکیں گے۔

سوال۔ ۴۷۷۸۔ کیا اگر دیسی نہ ہوں۔ تو یورپین ملازموں کی حالت بالکل بیکس نہ ہوگی؟

جواب۔ بیشک۔ کیوں نہ ہوگی؟

سوال ۴۷۷۹۔ کیا یورپین ملک کی حکومت چلانے کے کام میں دیسیوں کے سخت محتاج ہیں؟؟

جواب۔ میری رائے ہے کہ نہایت قابل یورپین افسر بھی دیسیوں کی امداد کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔

سوال۔ ۴۷۸۰۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ دیسی لوگ بڑے سمجھدار اور مہربانی کے قدردان ہیں؟۔

جواب۔ ہاں۔

سوال ۴۷۸۱۔ اور مہربانی کے لئے شکر گذار ہونگے؟

جواب۔ بلاشبہ۔

سوال۔ ۴۷۸۲۔ اور کیا مہربانی کا خاطرخواہ معاوضہ ادا کرینگے؟

جواب۔ بیشک اور یقیناً۔ اور جن لوگوں سے مجھے واقفیت ہے ان سب کی نسبت میری یہی رائے ہے۔ . . . .

. . . .

. . . .

سوال ۵۰۸۰۔ تمہارے کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دیسیوں کو عام طور پر گورنمنٹ کے مختلف محکموں میں ملازم رکھا جائے۔ تو گورنمنٹ کا خرچ بہت

کم ہو جائے گا۔ کیا تمہاری رائے میں موجودہ گورنمنٹ آف انڈیا بڑی خرچ والی گورنمنٹ ہے؟۔

جواب۔ جہاں تک سول انتظام کا تعلق ہے موجودہ گورنمنٹ بہت زیادہ خرچ والی ہے"

سوال ۵۰۸۱۔ تمہارے خیال میں کس محکمہ میں تخفیف کیجا سکتی ہے؟

جواب۔ تمام ریونیو اور جوڈیشل محکمات میں۔

سوال ۵۰۸۲۔ کیا تمہاری یہ مراد ہے کہ دیسی ملازم رکھنے سے خرچ میں بچت ہو سکتی ہے؟"

جواب۔ ہاں دیسیوں کے ملازم رکھنے اور حکومت کی کل سادہ بنانے سے۔

سوال ۵۰۸۹۔ جب تم یہ کہتے ہو کہ دیسیوں کو زیادہ ملازم رکھنے اور حکومت کی کل سادہ بنانے سے گورنمنٹ کے اخراجات میں کمی ہو سکتی ہے۔ تو اس سے تمہاری یہ مراد ہے۔ کہ یوروپین ملازموں کی تعداد بہت کم کیجائے۔

جواب۔ ہاں۔ یوروپین ملازموں کی تعداد بہت کم کیجائے۔

سوال ۵۰۹۰۔ اسوقت کوئمباٹور میں چھ یوروپین ہیں۔ تمہاری رائے میں کتنے تخفیف کیے جا سکتے ہیں؟"

جواب۔ چار۔

سوال ۵۰۹۱۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ ایک یوروپین سپرنٹنڈنٹ دیسی ماتحتوں کے ساتھ ریونیو اور سول کا کاروبار چلا سکتا ہے؟

جواب۔ میرے خیال میں وہ چلا سکتا ہے گورنمنٹ کی کل سے میری مراد پیچیدگی ہے۔ ہماری موجودہ حکومت بورڈوں کے طریقہ سے چل رہی ہے جو بڑا پیچیدہ ہے۔ ایک ریونیو بورڈ ہے ایک ملٹری بورڈ اور ایک تجارتی بورڈ۔ اسطرح گورنمنٹ کا اگرکسی حکام کے ساتھ براہ راست رابطہ نہیں ہے ہر ایک کام بورڈوں کے ہاتھ سے گذرتا ہے۔ اور اس طرح سے ریکارڈ بھی دگنے تگنے رکھنے پڑتے ہیں۔ اور حرج اور خرچ بھی بہت ہوتا ہے۔

سوال ۵۰۹۲۔ کیا تمہاری یہ تجویز ہے کہ ایک یوروپین سپرنٹنڈنٹ ضلع کا اعلیٰ جج

بھی ہو سکتا ہے اور ساتھ ہی مجسٹریٹ اور مال کا کلکٹر بھی ہو سکتا ہے؟
جواب۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ یورپین افسروں کے ذمہ صرف نگرانی کا کام رہے میری رائے میں سخت انگریزی نگرانی میں مال اور سول کا کام دیسیوں سے بخوبی چلایا جا سکتا ہے زیادہ تر نقص اور فتور تو مالی انتظام میں پڑتا ہے مجسٹریٹی یا جوڈیشل کاروبار میں نہیں پڑتا۔
سوال ۵۰۹۳۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ وہ دیسی جو اسوقت یورپین حکام کے ماتحت ہیں ان کو اعلیٰ عہدوں پر مقرر کرنا چاہیئے۔ یا دیسیوں میں سے اس مطلب کے لیئے اور لوگ ملازم رکھے جائیں؟
جواب۔ بلاشبہ صرف وہی لوگ جو چھوٹے عہدوں پر کام اچھی طرح سیکھے ہوئے ہیں۔ اور کاروبار کا خاصہ تجربہ رکھتے ہیں۔ اعلیٰ عہدوں پر مقرر کیئے جانے چاہیں
سوال ۵۰۹۴۔ کیا وہ لوگ اس وقت بداعمال نہیں پائے گئے؟
جواب۔ اگر وہ بداعمال پائے گئے ہیں تو اسکی یہ وجہ ہے کہ ہم نے ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ ان کو اس میں کوئی دلچسپی نہیں کہ وہ ہمارے لیئے کام کریں۔ اس لیئے جب وہ موقعہ پاتے ہیں۔ تو ہمارے خلاف کام کرتے ہیں
سوال ۵۰۹۵۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ اگر ان کو معقول تنخواہیں دی جائیں۔ اور آیندہ کے لیئے بھی اپنی بہتری کی امید ہو تو وہ بداعمالی نہ کرینگے؟
جواب۔ میرا خیال ہے کہ اگر ہم ان کو یورپین لوگوں کے برابر امیدیں دلائیں گے تو وہ ان کے برابر دیانتدار پائے جائینگے۔
سوال ۵۰۹۶۔ اگر ان پر حد سے زیادہ اعتبار کیا جائے تو کیا ان کے خیالات اچھے ہو جائیں گے؟ جواب بلاشبہ اچھے ہو جائیں گے۔
سوال ۵۰۹۷۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ کسی خاص ضلع میں دیسیوں کو اعلیٰ عہدوں پر ممتاز کرنے کا تجربہ کیا جائے۔ تو اس کا نتیجہ نیک نکلیگا؟
جواب۔ مجھے کامل اطمینان ہے کہ نتیجہ ضرور نیک نکلے گا۔ اگر یہ تجربہ کسی ایسے شخص سے کرایا جائے۔ جو انکو اعلیٰ عہدے دینے کا حامی ہو۔ برخلاف اس کے ممکن نہیں۔

سوال ۵۰۹۸ کیا تمہارے خیال میں مدراس پریذیڈنسی میں اور عہدہ دار بھی تمہاری اس رائے سے متفق ہیں؟

جواب۔ میرا خیال ہے کہ بہت سے عہدہ دار میرے ساتھ اتفاق کرتے ہیں۔ یہ رائے عام ہے خصوصاً ان لوگوں میں جنکو دیسیوں کے ساتھ بات چیت کرنیکا واسطہ پڑتا ہے مگر جو لوگ جوڈیشل دھندے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کو دیسیوں کے ساتھ ہم کلام ہونے کا کم اتفاق ہوتا ہے بات یہ ہے کہ اس بات کی اب اشد ضرورت آپڑی ہے۔ اور یہ بات اب پسندیدگی اور ناپسندیدگی کی نہیں رہی۔ کلکٹر کو ہر طبقہ کے لوگوں کے ساتھ اکثر واسطہ پڑتا ہے۔ اسے ملک کی سرسبزی کی سخت دلچسپی ہوتی ہے اور اس کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ ہر ایک امر کے متعلق لوگوں کے خیالات معلوم کرتا رہے۔ برخلاف اس کے جو حکام مدراس میں رہتے ہیں ان کو دیسیوں کا کچھ حال معلوم نہیں ہوتا اس لئے میری یہ رائے ہے کہ جو لوگ دیسیوں کے ساتھ زیادہ ملتے جلتے ہیں۔ اور ان کے حالات سے آگاہ ہیں وہ اس بارہ میں میرے ساتھ اتفاق کرتے ہیں کہ دیسیوں کو اعلیٰ عہدوں پر ممتاز کرنا چاہیئے۔

مسٹر ڈبلیو چیلن کی شہادت

(جو مدراس میں کلکٹر اور دکن میں کمشنر رہا)

سوال ۵۲۹۶ تم نے بیان کیا ہے کہ ادنیٰ درجہ کے ہندوستانیوں کا چال چلن اور حالت سدھارنے کے لئے اس سے بہتر طریقہ کوئی نہیں کہ مالیہ میں تخفیف کی جائے۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اعلیٰ درجہ کے ہندوستانیوں کی حالت اور چال چلن درست ہونے کے لئے تمہارے خیال میں کیا ہونا چاہیئے؟

جواب۔ میرے خیال میں ان کو اعلیٰ اور زیادہ آمدنی کے عہدے دینے چاہئیں انکی ہوس جاہ و جلال کی پوری کرنی چاہیئے۔ انہیں اپنے ملک کی حکومت میں حصہ دینا چاہیئے۔ مگر میرے خیال میں اعلیٰ ترین عہدوں پر انہیں ممتاز کرنا ٹھیک نہ ہوگا۔ اعلیٰ ترین عہدوں پر صرف یورپین ہی رہنے چاہئیں۔

سوال ۵۲۹۷ تمہاری مراد کن محکمجات سے ہے؟
جواب ۔ میری مراد یہ ہے کہ جوڈیشیل اور مال کے محکمجات میں ان کو مقرر کرنا چاہیئے۔ مگر چیف پولیٹکل عہدوں پر انہیں ہرگز مقرر نہیں کرنا چاہئے
سوال ۔ ۵۲۹۸ کیا تمہاری مراد اعلیٰ یا اعلیٰ ترین ہے؟
جواب ۔ اعلیٰ ترین عہدوں پر میری رائے میں انہیں مقرر نہیں کرنا چاہیئے وہ صرف یوروپین کے قبضہ میں ہونے چاہئیں ۔ اگر ہم دیسیوں کو چند اعلیٰ عہدے دیدینگے۔ تو اسطرح ہم ایک اپنی بنائی ہوئی امیر جماعت پیدا کرینگے جنکا فایدہ اس میں ہوگا کہ ہماری حکومت برقرار ہے۔ وہ بخوبی سمجھینگے کہ اگر کوئی انقلاب پیدا ہوا تو پہلے نقصان اٹھانے والے وہ ہونگے اس لئے انکی اپنی جان و مال کی سلامتی ہماری گورنمنٹ کی سلامتی کے ساتھ وابستہ ہوجائے گی۔
سوال ۔ ۵۲۹۹ اچھا یہ بتاؤ کہ اسوقت وہ ہماری گورنمنٹ کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں؟
میری رائے میں چونکہ دیسیوں کو اعلیٰ عہدوں سے محروم رکھا گیا ہے۔ اور صرف ادنیٰ عہدے ہی انہیں دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے ان کا چال چلن خراب ہوتا جاتا ہے وہ محسوس کرتے ہیں کہ انپر کوئی غیر حکمراں ہے۔ کیونکہ اعلیٰ عہدوں کا دروازہ ان پر مطلق بند کردیا گیا ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ اس طرح ناراضگی بڑھتی جائیگی اور ہم بالکل غیر ہردلعزیز ہوجائینگے۔ میری رائے میں اتبک ناراضگی عام پھیل جاتی۔ اگر لوگوں کو یہ خیال نہ ہوتا کہ کمپنی کی حکومت انصاف پسند ہے اس کے ماتحت ہر ایک شخص کا جان و مال محفوظ ہے اور کمپنی رعایا کے مذہبی رسوم اور تعصبات کا از حد لحاظ کرتی ہے۔ اس لئے اگرچہ لوگوں کو ہماری حکومت کے ساتھ چنداں فایدہ نہیں مگر عام طور پر لوگوں کے دلوں میں ہماری عزت جاگزیں ہے ان کو انگریزوں کی دیانت اور چلن پر کامل بھروسہ ہے اور یہی خیال معہ ہماری دیسی فوج کی وفاداری کے ہماری ہندوستانی حکومت کا بڑا بھاری

سہارا ہے۔

سوال ۵۴۰ کیا تمہاری یہ رائے ہے کہ اسوقت لوگوں کے خیالات ویسے ہی ہیں جیسے کہ ایک مفتوح اور ذلیل قوم کے ہوتے ہیں؟

جواب۔ ہاں میری بھی رائے ہے۔

سوال ۵۴۱ کیا تمہارا خیال ہے کہ ہماری گورنمنٹ نے ابھی تک لوگوں کی حالت میں کچھ ترقی نہیں کی ہے؟

جواب۔ میری رائے میں ہماری گورنمنٹ کی طرز ہی ایسی ہے کہ لوگوں کی حالت میں چنداں ترقی نہیں ہو سکتی۔ یہ درست ہے کہ ہماری حکومت کے ماتحت بہ نسبت دیسی حکومت کے لوگوں کا جان مال زیادہ محفوظ ہے۔ اور اُن پر کم تشدد ہوتا ہے اور ناواجب روپیہ بھی ان سے نہیں لیا جاتا۔ علاوہ اس کے انصاف بلا رو رعایت اور بد اعمالی کے کیا جاتا ہے۔ گو اس میں تاخیر زیادہ ہوتی ہے۔ اور خرچ زیادہ کرنا پڑتا ہے مگر اس پر بھی میرے خیال میں اپنی ذلیل حالت کی سمجھ انہیں ترقی کرنے نہیں دیتی۔ بغرض یہ کہ ہماری طرز حکومت اُنکی ترقی کی مانع ہے۔ یہاں کے کورٹ آف ڈائرکٹر سے لیکر انڈیا کی گورنر اور کونسلر تک سب کے سب افسر تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ جونہیں کسی افسر کو تھوڑا سا علم اور تجربہ حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ اس کا کچھ استعمال کرنا شروع کرتا ہے۔ وہیں اوسکی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ بعض اصلاحوں کی تجویز پیش کیجاتی ہے۔ مگر فی الفور نئے میر مجلس کورٹ آف ڈائرکٹر یا نئے گورنر یا نئے افسر مال کے تقرر سے بالکل متروک کر دی جاتی ہے۔ میرے خیال میں انتظام حکومت میں یہ تغیر و تبدل ہندوستانیوں کے فوائد کے سخت منافی ہے

سوال ۵۴۲ کمیٹی تم سے اور سوال نہیں کرنا چاہتی۔ مگر کمیٹی بڑی خوش ہوگی۔ اگر تم کوئی بات بتاؤ۔ جسکو کمیٹی نے دوران تحقیقات میں پیش نہ کیا ہے

جواب۔ میں کمیٹی کو اور کوئی بات کہنا نہیں چاہتا۔ سوائے اس کے کہ مالیہ اسقدر نرم کر دیا جائے۔ جسقدر گورنمنٹ کی مالی حالت کے مناسب حال ہو

اور سب سے زیادہ ضروری بات ہے کہ مالیہ کی ایک حد مقرر کر دینی چاہئیے۔ صرف یہی ایک ذریعہ ہے جس سے رعیت خوشحال ہو سکتی ہے اور بدنظمی بچ سکتی ہے۔ میری رائے میں اچھی گورنمنٹ اور ہندوستان میں دائمی امن اور آسودگی کا صرف یہی بڑا بھاری بھید ہے۔

سوال ۵۴۴۳ بہرحال کمیٹی کو یہ سمجھنا چاہئیے۔ کہ جسقدر تم نے دلیسیوں کو دیکھا ہے اُسیقدر تمہاری رائے اُنکی نسبت اچھی ہوتی گئی ہے؟

جواب۔ میری ہمیشہ سے دیسیوں کی نسبت اچھی رائے ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ دنیا کے کسی ایک ملک کی رعایا سے اچھے ہیں۔

ہندوستانی کیریکٹر اور اعلے تحصیلات ؛؛
میجر جنرل سر ایل سمتھ کے۔ سی۔ بی
کی شہادت

سوال ۵۴۸۱ آپ کو بڑا تجربہ ہے اور آپ دیسی افسروں کے کیریکٹر (چلن) سے بخوبی آگاہ ہونگے؟

جواب۔ بیشک میں بخوبی آگاہ ہوں۔

سوال ۵۴۸۲ اس بات کا بھی آپ کو بخوبی علم ہوگا۔ کہ یوروپین افسروں نے کیا کیا ہے؟

جواب۔ بلا شبہ۔

سوال ۵۴۸۳ تو آپ سوچ سمجھکر دونوں کا مقابلہ کر کے بتائیں؟

جواب میری رائے یہ ہے کہ تمام سوالات پر اور ان کے اپنے رسوم اور قوانین کے متعلق دیسی افسروں پر بہ نسبت یوروپین کے زیادہ اعتماد کرنا چاہئیے۔

سوال ۵۶۰۰ آپکی رائے ہندوستانیوں کے اخلاقی چلن کی نسبت بالعموم کیا ہے؟

جواب اس بات کا لحاظ کر کے کہ کئی سال سے وہ گھاٹے میں چلے آتے ہیں

بمبئی کے نہیں۔ بلکہ وہ جو گھاٹوں کے اوپر رہتے ہیں اور جنکی سابقہ حکومت نہائت ہی بُری تھی میری رائے یہ ہے کہ وہ بڑے ہی اچھے لوگ ہیں۔ اور جن لوگوں نے اونکی نسبت لکھا ہے بالکل جھوٹ لکھا ہے

سوال ۵۶۱۵ کیا وہ بے رحم اور سنگدل لوگ ہیں؟

جواب۔ مطلق نہیں۔ انکے تمام سردار اکھڑ فوجی عادات کے تھے۔ جنکی وجہ سے لوگ بھی اکھڑ اور تند خو بنگئے تھے۔ لیکن دراصل وہ بڑے اچھے لوگ ہیں اور جہاں کہیں وہ کاشتکاری کے کام میں لگے ہیں وہ ایسے امن پسند اور نرم خو ثابت ہوئے ہیں کہ میں نے کبھی ایسے لوگ نہیں دیکھے۔ میری ایک چھاونی میں لڑائی سے پہلے تیس ہزار آدمی سے زیادہ تھے اور چار سال کے عرصہ میں صرف چار سنگین جرم ان میں مرتکب ہوئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ انکو کیا سزا دیگئی۔ کیونکہ ہم نے مجرموں کو پیشوا کے ہاں بھیجدیا تھا۔ اسوقت ہمارا اپنا کوئی فوجداری قانون نہ تھا۔ میرے خیال میں یوروپ کا کوئی حصہ نہیں جو اس کمی جرائم کا فخر کر سکے۔

سوال ۵۶۱۶ آپ کے خیال میں عام خیالات پر اس بات کا کیا اثر پڑیگا اگر دیسیوں کو موقعہ دیا جائے کہ وہ عیسائی مجرموں کی تحقیقات کریں؟

جواب۔ میرے خیال میں یوروپین اس بات سے اول اول ناراض ہونگے چونکہ وہ دیسیوں سے ناواقف ہیں۔ اس لئے وہ اپنے آپ کو ان سے برتر سمجھتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ ان کے ساتھ ملتے جلتے نہیں اور نہ ہی ان کے ساتھ ملکر سرکاری فرائض ادا کرنا پسند کرتے ہیں۔ مگر اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ میرے خیال میں اس سے ملک کو بڑا فایدہ پہنچے گا۔ اگر یوروپین کا میل ملاپ دیسیوں کے ساتھ زیادہ بڑھایا جاوے شروع میں یوروپین ضرور اس بات کی مزاحمت کرینگے۔ کیونکہ بعض ان میں بڑے مغرور ہیں اور بعض دیسیوں سے نفرت کرتے ہیں۔ مگر اس بات کو قانون کے زور سے دور کرنا چاہیئے۔ جب باہمی میل ملاپ سے نفرت دور ہو جائے گی تو وہ مطمئن ہو جائیں گے۔

سوال ۵۶۱۸ کیا یوروپین لوگ دیسیوں کے ساتھ مل کر کام کرنے میں اعتراض کرینگے؟

جواب - شروع میں وہ ضرور اعتراض کرینگے۔ کیونکہ پرانے مذاق اور تعصب کو دور کرنا مشکل ہوتا ہے اور یوروپین لوگوں میں بڑا بھاری نقص یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو امیر خیال کرتے ہیں اور دیسیوں سے بالکل علیحدہ رہتے ہیں۔ اور جتنا انہیں دیسیوں کے ساتھ ملنا چاہیے اس سے آدھا بھی نہیں ملتے۔

سوال ۵۶۱۹ کیا اگر آپکی تحقیقات دیسیونکی پنچایت کرے تو آپ کو کچھ اعتراض نہ ہوگا؟۔

جواب۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ مگر میں مستثنیٰ ہوں۔

سوال۔ ۵۶۲۴ کیا آپکا خیال ہے کہ گذشتہ چند سالوں میں دیسیوں نے علم اور واقفیت حاصل کرنے میں ترقی کی ہے؟

جواب۔ ہاں بہت کچھ۔

سوال ۵۶۲۵ کیا آپ ملک کی تمام آبادی کا ذکر کر رہے ہیں؟

جواب۔ ہاں۔ ایک سکول دکن میں میرے آنے سے پہلے قایم ہوا۔ اور میرے دیسی دوستوں نے بہت سے غریب لڑکوں کو اس میں داخل کرنے کی سفارشیں کیں۔ بمبئی میں سکول عرصہ سے جاری ہے اور لیبر ٹیرین طریقہ پر بڑی عمدگی سے چل رہا ہے

سوال ۵۶۲۶ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ لوگ بوجہ اعلے عہدوں سے محروم رکھے جانے کے اپنے آپ کو ذلیل سمجھتے ہیں؟

جواب۔ میرے خیال میں وہ ضرور ایسا محسوس کرتے ہیں

سوال ۵۶۲۷ کیا یہ احساس انکی علمیت کے ساتھ بڑھتا جائیگا؟

جواب - بلاشبہ بڑھے گا۔

لے دکن کا ایک غریب لڑکا مسٹر جی۔ ان ٹاٹا کی امداد سے کیمبرج یونیورسٹی میں تعلیم پانے کے لیے بھیجا گیا اور ۱۸۹۹ء میں وہ تمام یونیورسٹی میں اول رہا۔

سوال ۵۶۲۸ تو اس کا دفیعہ کسی طرح ہو سکتا ہے؟
جواب۔ انہیں ملک کے انتظام میں کافی حصہ دو۔
سوال ۵۶۲۹ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس گورنمنٹ کی سیاسی اسپیں ہے کہ دیسیوں کی علمیت جبکہ ان کو انگریزوں سے علیحدگی کا خیال ہے بڑھنی دینی چاہیئے۔ یا کہ انگریزوں اور دیسیوں کو باہم ملا کر ایک کر دیا جائے؟
جواب۔ میری رائے میں علمی ترقی کا نتیجہ پہلے تو یہ ہوگا کہ انگریز اور دیسی ایک ہو جائیں گے اور دیسی بڑے خوش ہونگے۔ مگر آخری نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ جب ہم کثیر حصہ آبادی کو تعلیم یافتہ بنانے میں کامیاب ہو جائینگے۔ تو خواہ آپ کس قدر ان کے ساتھ سلوک کریں وہ یہی خیال کرینگے کہ وہ ایک جدا اور دیسی قوم ہیں۔ اور اگر ان کا بس چلا تو ہم کو ملک سے نکال دیں گے۔
سوال ۵۶۳۰ کیا آپ کسطرح اسپانٹ کی روک کر سکتے ہیں کہ دیسیوں کو ان طاقت کا علم نہ ہو؟
جواب۔ میرے خیال میں انسانی تاریخ میں کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی کہ معدودے چند اغیار چھ کروڑ آبادی کے ملک پر حکمرانی کر سکیں۔ جیسے آجکل رائے کی بادشاہت کہتے ہیں۔ اس لئے جو ہیں وہ تعلیم یافتہ ہو جائیں گے تو تعلیم کی تاثیر سے ان کے قومی اور مذہبی تفرقے دور ہو جائیں گے۔ جس کے ذریعہ سے ہم نے اب تک اس ملک کو اپنے قبضہ میں رکھا ہوا ہے یعنی مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف کرنا علی ہذا القیاس۔ تعلیم کا یہ اثر ضرور ہوگا۔ کہ ان کے دل بڑھ جائینگے اور انہیں اپنی طاقت سے آگاہی حاصل ہو جائیگی۔
سوال ۵۶۳۱ کیا اگر دیسیوں کی موجودہ ناقابلیت جسے وہ ذلت سمجھتے ہیں دور کر دی جائے۔ اور ان کو تمام سول محکموں میں یورپینوں کے ساتھ بڑا فایدہ اٹھانے کا موقعہ دیا جائے تو اس سے تعلیم کے لازمی نتیجہ کی بہت کچھ اصلاح ہو جائیگی؟
جواب۔ ہاں۔ میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ کچھ عرصہ تک بلاشبہ ایسا ہوگا

سوال ۵۶۳۲ کیا اس سے وہ یورپینوں کے ساتھ یک رنگ ہوکر ہماری حکومت کے برقرار رکھنے میں مشترکہ دلچسپی نہ لیں گے۔ جواب وہ محسوس نہیں کرتے؟

جواب۔ کسی حد تک ایسا ہوگا۔

سوال ۵۶۳۳ کیا آپ کے خیال میں ہندوستان پر حکومت کرنے کے لئے یہ طریقہ معزز اور قابل بھروسہ ہے کہ دیسیوں کے دل یورپینوں کے ساتھ ملا دیئے جائیں۔ یا یہ کہ انہیں تاریکی اور جہالت میں رکھا جائے؟

جواب میں تو بلاشبہ ان کو جہاں تک ممکن ہو تعلیم دونگا۔ مگر اس کا نتیجہ یہ ضرور ہوگا۔ کہ ملک ہمارے ہاتھ سے نکل جائیگا۔

سوال ۵۶۳۴ فرض کرو کوئی رقیب طاقت ہندوستان میں آجائے۔ اور وہ دیسیوں کی موجودہ ناقابلیت کو دور کردینے کا وعدہ کرے تو کیا دیسی اس ترغیب سے یقیناً ہم سے منحرف نہ ہو جائیں گے؟

جواب۔ اگر رقیب طاقت ہندوستان میں اپنے پاؤں ایک دفعہ جمالے تو اس بات کا انحصار زیادہ تر اس رقیب طاقت پر ہوگا۔ لیکن ہندوستانی اچھی طرح جانتے ہیں کہ کوئی رقیب طاقت ہماری طرح ہندوستان کو فتح نہیں کر سکتی۔

سوال ۵۶۳۸ کیا ہم اگر وقت پر خود ہی ان روکاوٹوں کو دور کردیں۔ تو ہندوستانیوں کو ہمارے ساتھ اتنی محبت اور دلبستگی نہ ہو جاوے گی۔ کہ وہ کسی رقیب طاقت کی حکومت کو پسند نہ کریں؟

جواب۔ اگر ہم اپنے اختیارات کو صحیح طور پر استعمال کریں اور ان کو حکومت میں کافی حصہ دیں اور تعلیم اور تہذیب ان میں جاری رکھیں تو کوئی اور حکومت ہمارے خلاف ان پر اثر نہیں ڈال سکے گی۔

سوال ۵۶۳۹ اگر ہندوستان ترقی کرکے اس درجہ پر پہنچ جائے کہ وہ عیسوی مذہب کے اصولوں کو سمجھ سکے اور ہماری حکومت کی اصلیت کو ذہن نشین کر سکے تو کیا تمہارے خیال میں وہ زیادہ عرصہ تک انگلینڈ کی

حکومت اپنے اوپر گوارا کرے گا؟

جواب - نہیں - ہرگز نہیں - قوموں کی تاریخ کے رو سے لوگ اپنی حکومت کی قدر کرتے ہیں اور یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ ایسا کریں

سوال ۵۶۴۰ کیا آپکی رائے ہیں اگر تہذیب ہندوستان میں کمال کو پہنچ جائے تو اس وقت انگریزی حکومت کا بھی خاتمہ ہو جائیگا؟

جواب - میں نے صاف لفظوں میں کہدیا ہے کہ تعلیم کا یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ ہندوستانی ہم کو ملک سے نکال دیں -

سوال ۵۶۴۱ اگر ایسا ہو جائے تو کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ ہندوستان سے ہمیں اتنا فایدہ نہ پہنچیگا - جتنا کہ ہم اسوقت اٹھا رہے ہیں؟

جواب - نہیں ہرگز نہیں - امریکہ جب سے علیحدہ ہوا ہے ہمارے لئے اس سے زیادہ مفید ثابت ہوا ہے جتنا کہ بصورت ماتحت نوآبادی کے تھا -

سوال ۵۶۴۲ ہندوستان کی آبادی کا کونسا حصہ انگریزی حکومت کا دلدادہ ہے - جاہل یا تعلیم یافتہ - یا یوں کہو کہ کیا ہندوستان کا کوئی حصہ جس سے تم آگاہ ہو - بمبئی کے لوگوں سے بڑھکر انگریزی حکومت کا شیدا ہے؟"

جواب - میری رائے میں تعلیم یافتہ اور سمجھدار لوگ انگریزی حکومت کو زیادہ پسند کرتے ہیں - بمبئی کے لوگ بڑے سمجھدار اور ذہین ہیں اور وہ گورنمنٹ سے فایدہ اٹھانے کی امید رکھتے ہیں - اس لئے وہ اظہار عقیدت اور وفاداری میں جاہلوں کی بہ نسبت زیادہ بڑھے ہوئے ہیں

سوال ۵۶۴۳ کیا آپ یہ قرار دیتے ہیں کہ جوں جوں ہندوستان میں تہذیب اور تعلیم زیادہ ہوتی جائیگی - دوں دوں انمیں آزادی کی خواہش بڑھتی جائے گی؟

جواب - میں نے صاف کہدیا ہے کہ ایسا ہونا ایک فطرتی امر ہے -

سوال ۵۶۴۴ اور یہی آپکی رائے ہے کہ اگر ہندوستان ہم سے آزاد ہو جائے

تو پھر بھی ہمارے لیئے وہ مفید ثابت ہوگا؟
جواب۔ بلاشبہ یہ درست ہے کہ امرا کے بیٹوں کو یہاں نوکریاں نہ ملیں گی مگر ملک کو فایدہ برابر پہنچتا رہیگا۔ یعنی خرچ تو کچھ نہ کرنا پڑیگا اور فایدہ ہی فایدہ ہوتا رہیگا۔

دوسرا باب

صدی کا آغاز۔ ہندوستان کہاں کھڑا ہے؟

جب ہندوستان کا مال تجارت ہندوستان کے بنے ہوئے جہازوں میں لندن کے بندرگاہ پہنچا تو وہاں کے کارخانہ داروں پر اسقدر دہشت طاری ہوئی کہ گویا کسی رقیب سلطنت نے انگلینڈ پر دھاوا کر دیا ہے بندرگاہ لنڈن کے تمام جہاز بنانیوالوں نے چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا اور پکار کر کہہ دیا کہ ان کا کاروبار بالکل تباہ ہو جائیگا۔ اور انگلینڈ کے جہاز بنانیوالوں کے بال بچے یقیناً بھوکوں مرجائینگے (تاریخ ہند مصنفہ ٹیلر صفحہ ۲۱۶)

سنہ ۱۸۰۱ء	سنہ ۱۹۰۱ء
لارڈ ولزلی	لارڈ کرزن
گورنر جنرل	وائسرائے و گورنر جنرل

صدی کے شروع میں مندرجہ عنوان سوال پوچھنا اور اس کا جواب دینا نامناسب نہ ہوگا۔ جہانتک اس کتاب کے مصنف کا بدقسمتی سے اس سوال کے ساتھ تعلق ہے اس کا جواب بلا تامل مندرجہ ذیل الفاظ میں صحیح اور واضح طور پر دیا ہو سکتا ہے:۔

ہندوستان اس وقت اس سے زیادہ خطرناک خستہ حالت میں ہے جس قدر کہ اسوقت تھا۔ جبکہ سنہ ۱۸۰۱ء کی پہلی صبح خلیج بنگالہ پر پھوٹی اور ہندوستان کے شمال مشرقی کنارہ کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چمکی۔

خواہ کسی طرف نظر اٹھا کر دیکھو۔ یہی دکھائی دیگا۔ کہ ہندوستان کی بکثرت
آبادی زمانہ سابق کی نسبت بہت ہی خستہ اور بری حالت میں ہے۔ اور
یکم جنوری سنہ ۱۹۰۱ کا ہندوستان یکم جنوری سنہ ۱۸۰۱ کے ہندوستان سے
کئی کوسوں پیچھے دکھائی دیتا ہے ذرا واقعات ملاحظہ ہوں

دولت

ایک سو سال گذرے ہیں کہ باوجود سول اور فوجی اور دیگر انگریزوں کے
ناجائز طور پر ہندوستان خصوصاً بنگال اور مدراس سے بکثرت روپیہ انگلینڈ
لیجائے گئے (شیکسپیر کہتا ہے کہ دانا لوگ اس کو لیجانا کہتے ہیں) ملک میں
بہت سا روپیہ باقی تھا ہم سے پہلے جو فاتح ہندوستان میں آئے انہوں نے
اسی ملک میں بود و باش اختیار کر لی۔ جو کچھ انہوں نے ہندوستان سے
لیا وہ ہندوستان میں ہی رکھا۔ اگر اسے خرچ کیا۔ تو ہندوستان میں اور اگر
جمع کیا تو ہندوستان میں ایسا ہوتا رہا۔ کہ بنگال کا روپیہ دہلی میں آگیا۔ اور
پھر دہلی سے بنگال چلا گیا۔ کیونکہ جو بنگالی دہلی میں بڑے بڑے عہدوں
پر تھے وہ اپنا کافی حصہ بنگال میں لیجاتے تھے۔ اسطرح ملک میں ہی روپیہ
دائر سائر رہا۔ صرف چند ایک تاریخی نظیریں ہیں۔ جنمیں ہندوستان کی دولت
باہر گئی۔ مگر وہ کچھ غیر معمول مقدار میں نہ تھی۔ لیکن وہ تمام دولت جو ملک میں
تھی۔ اس ایکسو سال میں اسطرح باہر گھسیٹی گئی ہے کہ دنیا کے کسی مہذب
ملک میں اتنا کم اندوختہ سرمایہ نہیں جتنا کہ ہندوستان میں رہ گیا ہے سنہ ۱۹۰۰
کے قحط میں اندوختہ روپیہ کی اسقدر قلت ہوگئی۔ کہ زمانہ قدیم کے سکے بھی دنیا
کی ہوا کھانے لگے۔ اور سنہ ۱۹۰۱ء میں لنڈن کے صرافوں کے حوالہ کئے گئے
یہ روپیہ کا نکاس کسقدر خطرناک ہے۔ ان مختلف بیانات سے ثابت ہوتا
ہے جو وقتاً فوقتاً کیے گئے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر مشہور منٹگمری مارٹن
کے ریمارک ہیں جو قریباً ستر سال گذرے ہیں اس نے کئے تھے۔

اس نے بیان کیا ہے کہ ہندوستان کا سالانہ نکاس تیس لاکھ پونڈ
کے حساب سے تیس سال کے عرصہ میں بارہ فیصدی سود در سود

نشمار کر کے ۲۷ کروڑ ۳۹ لاکھ پونڈ ہوتا ہے جو بڑی بھاری رقم ہے۔ اُس وقت سے لیکر اتنک اس نکاس میں مطلق کمی نہیں ہوئی - بلکہ سال بسال زیادتی ہوتی گئی ۔ جتنی کہ سنہ ۱۸۳۰ء میں جو ندی قریبا اختیار سے باہر معلوم ہوتی تھی دس گنے اور زیادہ بڑھ گئی ہے اور اب اختیار سے بالکل ہی باہر ہوگئی ہے یہ صحیح ہے کہ رقبہ جس کو پھوڑا جاتا ہے وہ اور وسیع ہوگیا ہے مگر اسی نسبت سے دولت جسقدر کھینچی جارہی ہے وہ بہت ہی زیادہ ہے انیسویں صدی کے آخری دس سالوں میں اسقدر تنگی ملک میں ہوگئی - کہ ملک کے نصف سے زیادہ کاشتکار قرضہ کے بوجہ تلے دب گئے جس کا کوئی علاج نہ ہو سکتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ساہوکار زمین کے حقیقی مالک اور بادشاہ بنگئے۔ جب کہ دو کروڑ صابر شاکر اور مصیبت زدہ بھلے آدمی صرف خوراک کی کمی اور ان بیماریوں سے جو فاقہ کشی سے لاحق ہوتی ہیں اور نیز طاعون سے پیش از وقت مرگئے -:- اس صدی کے آخری تیس سالوں میں بحساب اوسط تین کروڑ پونڈ سالانہ ہندوستان سے باہر نکالا گیا ہے۔ یا یوں سمجھو - کہ تیس سال میں نوے کروڑ پونڈ ہندوستان سے لیے گئے ہیں۔ اگر سود کو مطلق شمار نہ کیا جاوے۔ اس کے مقابلہ پر وہ قرضہ ہے جو انگلینڈ نے ہندوستان کو جنگی اخراجات اور پبلک کاموں کے لئے وقتاً فوقتاً دیا ہے مگر اس میں سے بہت تھوڑا روپیہ کسی منافع کے کام میں لگایا گیا ہے جو نکاس کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ اور آخرکار کسی وقت ہندوستان کو یہ قرضہ ادا کرنا پڑے گا۔ اس لئے اگر انگلینڈ اور ہندوستان کے لین دین کا مقابلہ کیا جائے تو صاف واضح ہو جائیگا۔ کہ کس فریق کو زیادہ کسر لگ رہی ہے اب تو آئے دن قحط ثابت کر رہے ہیں کہ کسی دن ہندوستان بالکل ہی مردہ ہو جائیگا۔ سب سے بڑے سالوں سنہ ۱۸۹۹ و سنہ ۱۹۰۰ میں بھی غلہ ملک میں کافی تھا۔ مگر لوگوں کے پاس نقدی نہ تھی۔ کہ غلہ خرید کر سکیں اور اپنے گھروں بال بچوں اور خفیف سے مقبوضات کو محفوظ رکھ سکیں وزیر ہند حال لارڈ جارج ہملٹن نے ظاہر کیا ہے کہ یہ قحط خوراک

کے نہیں۔ بلکہ روپیہ کے ہیں۔ یہ آجکل تاریخی طرز کلام ہے مگر یہ قول ایک خاص حد سے زیادہ صحیح نہیں۔ تمام لوگوں کے لئے خوراک کی قسم کی کوئی چیز کافی نہیں۔ اگر عیسائیوں کی اس دعا کو کہ "اے خدا ہمیں آج کی روٹی بخش" قبولیت کا شرف حاصل ہو جائے۔ تو جو اعداد شمار میرے ہاتھ میں آئے ہیں۔ ان کے رو سے میری یہ رائے ہے کہ اگر اتنی خوراک ہر ایک شخص کو دینے کا انتظام کیا جائے۔ جتنی پوری صحت قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے تو ملک کی ۳/۴ آبادی کو سال میں کم از کم ۳ ماہ نہایت قلیل خوراک پر گذارہ کرنا پڑے اور لاکھوں لوگوں کو مطلق ہی کھانے کو کچھ نہ ملے۔

الغرض اس نئی صدی کے شروع میں ہندوستان میں کام کرنے کا سرمایہ مطلق نہیں رہا۔ اس کا تمام کار آمد سرمایہ غلط طریقہ حکومت کی راہ سے نکل کر غیر ملک میں چلا گیا ہے اور جیسا کہ دیگر ممالک میں مالی ترقی کے ذرائع سمجھے جاتے ہیں وہ ہندوستان میں مطلق نہیں اور ہندوستان موجودہ حالات میں اس مہلک مرض سے جان بر نہیں ہو سکتا۔

لوگوں کا افلاس

اگر مذکورہ بالا ریمارک تسلیم کر لئے جائیں۔ تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسوقت لوگوں کی ضروریات زندگی اس سے زیادہ مشکل ہو گئی ہیں۔ جسقدر کہ ایکسو سال پہلے تھیں۔ سنہ ۱۸۰۰ء کے حسابات جن سے صحیح مقابلہ کیا جا سکے دستیاب نہیں ہو سکتے۔ لیکن ایک گواہ نے جو سنہ ۱۸۳۳ء کی چارٹر کی تجدید سے پہلے کی ایک تحقیقات میں پیش ہوا۔ مندرجہ ذیل بیان لکھایا۔

"یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کا مزدور یورپ کے مزدور کے مساوی ہے یا نہیں۔ ہمارے اپنے ہندوستانی صوبجات میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سوائے قحط کے ایام کے لوگوں کو مطلق تکلیف نہیں ہوتی۔ اور چونکہ ہم نے غلہ کے بیوپاری کو اجازت دے رکھی ہے کہ جس بھاؤ چاہے وہ اپنا غلہ فروخت کرے اس لئے نرخ اجناس فصل کی پیداوار کے متناسب حال رہتا ہے اور اس کی بدولت ملک میں اسقدر قلت غلہ کی نہیں ہوتی۔ جتنی کہ اسوقت ہوتی تھی جبکہ

ملک مصر کے حکمران غلہ کی قیمت اپنی مرضی سے مقرر کر دیتے تھے ہمارے ہندوستانی
صوبجات کے مزدور کو اپنی اور اپنے بال بچوں کی پرورش کے لئے کوئی تکلیف
نہیں۔ اور اُسے سوالی خیرات مانگنے کی حاجت نہیں ہوتی۔ جبکہ ہمارے اپنے
ملک کی حالت اس کے بالکل خلاف ہے۔"

اسیطرح گذشتہ بیس سال کی خستہ حالت بھی ظاہر کیگئی ہے سنہ ۱۸۸۱ع
میں سر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نے برمنگھام میں بیان کیا کہ ہندوستان میں ۴ کروڑ لوگ
ایسے ہیں جنکو کافی خوراک نہیں ملتی۔ پھر سنہ ۱۸۹۳ع میں اخبار پاینیر نے مسٹر
گریرسن کے فیکٹ کا مجملاً ذکر کیا جو اس نے گیا کی آبادی کے مختلف فرقوں
کے متعلق بیان کئے تھے۔ اور ظاہر کیا کہ نتیجہ تسلی بخش نہیں ہے۔ مختصر طور
پر اتنا کہا جاسکتا ہے کہ مزدوری پیشہ جماعت کے تمام افراد اور دس فیصدی
کاشتکار اور حرفت کار لوگ یا یوں کہو کہ کل آبادی کے ۴۵ فیصدی آدمی
ایسے ہیں جنکو کافی خوراک یا کافی پوشش نہیں ملتی۔ یا دونو چیزیں ہی
میسر نہیں۔ اسیطرح صرف ضلع گیا میں دس لاکھ آدمی کافی سہارا خوراک
کا نہیں رکھتے۔ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ گیا کی یہ حالت خاص نہیں (اور
کوئی وجہ نہیں کہ یہ فرض نہ کیا جاوے) تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ برٹش
انڈیا میں قریباً دس کروڑ نہایت ہی تنگی سے گذارہ کرتے ہیں۔ یا جس مضمون
سے یہ اقتباس کیا گیا ہے وہ آگے چلکر تمام نقل کیا جائیگا۔ اب سنہ ۱۹۰۱ع میں
لوگوں کا افلاس اور فلاکت ایسی ہے کہ بیان نہیں کی جاسکتی دراصل
قریباً پندرہ سال گذرے ہیں کہ بوجہ نرخ اجناس کی گرانی کے ملک
میں لگاتار قحط چلا آیا ہے۔"

مذکورہ بالا قول ایک تجربہ کار اور واقفکار ہندوستانی پبلک آدمی کا ہے
جو ۱۲ مئی سنہ ۱۹۰۱ع کو کہا گیا۔

عجیب مقابلہ

آسٹریلیا کی آمدنی فی کس سالانہ بیس پونڈ اٹھارہ شلنگ

10					
9					
8					
7					
6					
5					
4					
3					
2					
1					
	1	2	3	4	5
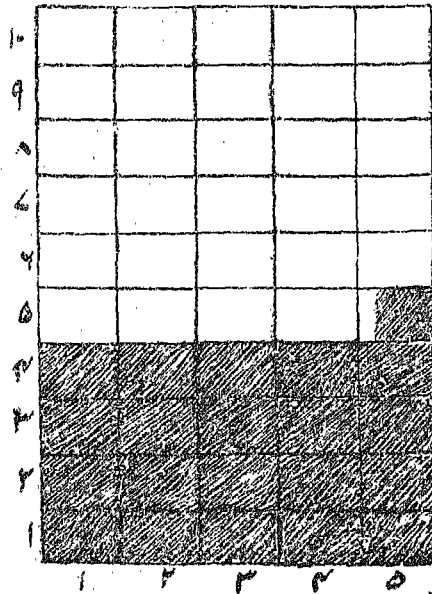
ہندوستان میں جس قدر آمدنی گذارہ کے لئے ضروری ہے۔

۳۰ روپیہ
۲ پونڈ سالانہ فی کس

ہندوستان کی اصلی آمدنی

۱۶ روپیہ
ایک پونڈ ۱ شلنگ ۴ پنس

کمی ۱۴ روپیہ یا ۱۸ شلنگ ۸ پنس

سر ولیم ہنٹر کے قول سے لیکر آجتک آبادی میں بہت ترقی ہوئی ہے جسکا تخمینہ تین کروڑ کیا گیا ہے لیکن اس عرصہ میں ملک کی آمدنی بہت کم ہوگئی ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر اس آمدنی کیساتھ سنہ ۱۸۸۰ء میں چار کروڑ آدمی بھوکے رہتے تھے۔ تو زاید آبادی کو لازماً مطلق خوراک نہیں ملتی ہوگی۔ یا یوں سمجھ لو۔

۴ کروڑ میں تین کروڑ جمع کئے جائیں تو ۷ کروڑ بنتے ہیں یہ ۷ کروڑ اس بیسویں صدی کے شروع میں برٹش انڈیا میں برابر بھوکے رہتے ہیں!

یہ میرا اپنا اندازہ ہے جو چند ماہ گذرے ہیں نے کیا تھا۔ اور میرے اب تکے تخمینوں کی طرح یہ بھی نہایت کھینچ تان کر کیا گیا ہے۔ کیونکہ اخبار پائنیر نے جو انگریزی حکومت کی حمایت پر ہر وقت تیار رہتا ہے آٹھ سال گذرے ہیں۔ لکھا تھا۔ کہ دس کروڑ انگریزی رعایا سخت افلاس میں مبتلا ہے"۔

قومی دستکاریاں

ہندوستان کی قومی دستکاریاں بڑی سنگدلی سے تباہ کی گئیں۔ اور ۱۹ صدی کے ابتدائی حصّہ میں بدوں اسباب کو پوشیدہ رکھنے کا کوئی حیلہ کرنے کے برباد کر دی گئیں۔ کہ انکی تباہی سے انگریزی دستکاری کو فایدہ پہنچتا ہے جو فقرے اس باب کے شروع میں نقل کئے گئے ہیں۔ وہ اسباب کو نہایت واضح طور پر بیان کرتے ہیں ایک سو سال گذرے ہیں۔ کہ ہندوستان میں جہاز بنانے کا کام ایسی اچھی حالت میں تھا۔ کہ ہندوستان کے بنے ہوئے جہاز انگریزی ساخت کے جہازوں کے ہمراہ دریائے ٹیمز میں انگریزی بیڑے کے ماتحت چلتے تھے۔ گورنر جنرل نے سنہ ۱۸۰۰ء میں اپنے آقاؤں کو جو لنڈن کے لیڈن ہال اسٹریٹ میں رہتے تھے۔ رپورٹ کی کہ کلکتہ کے بندرگاہ میں دس ہزار ٹن کے جہاز موجود ہیں جو اسی جگہ بنائے گئے ہیں۔ اور ہندوستان سے انگلینڈ

کو مالی تجارت پہنچانے کے لیئے کار آمد ہیں[1]۔ بمبئی کے ساگوان کے
جہاز پرانے انگلنڈ کی شاہ بلوطی دیواروں (جہاز) سے بہت ہی اعلی
ہیں۔ میں یہاں ایک شہادت نقل کرتا ہوں۔

یہ یقینی امر ہے کہ ہماری موجودہ پالیسی ہمیں اپنے ہندوستانی مقبوضات
کے تمام فوائد سے جو ہم اٹھا سکتے ہیں۔ بہرہ مند ہونے سے مانع ہے
شاید وہ وقت ابھی نہیں آیا۔ جبکہ اس سوال پر خاموش۔ بے رعایت
اور بلا تعصب بحث کی جا سکے۔ تو ہمیں اپنے حقیقی فوائد سمجھنے میں ہمیشہ
افراد سے شکست ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود اس بات کا علم ہونے
کے کہ ہمارے ملک میں جہاز بنانے کے لیئے لکڑی کم یاب ہے ہم نے
بہت تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ ہندوستان کے قیمتی جنگلات سے فائدہ اٹھانے
کی کوشش کی ہے

صرف بمبئی میں ہی سوداگری کے دو جہاز یا ایک سوداگری جہاز
اور دو جنگی جہاز انگریزی بحری فوج کے لئے اٹھارہ مہینوں میں تیار
کیئے جا سکتے ہیں اور بمبئی کے ڈاک (جہاں جہاز بنتے ہیں) اس
قابل ہیں۔ کہ بڑی سے بڑی طاقت کا جہاز بھی انہیں تیار ہو سکتا ہے
چونکہ بمبئی مالابار اور گجرات کے جنگلات کے درمیان واقع ہے
اس لیئے ہوا کے ہر ایک جھونکے کے ساتھ لکڑی یہاں پہنچتی رہتی

---

[1] کلکتہ کے بندرگاہ میں جسقدر جہاز موجود ہیں اور جس کمال کو جہاز بنانے
کا کام بنگال میں پہنچ چکا ہے اور لکڑی کی بہتایت کی وجہ سے اسمیں بہت
جلد ترقی ہونے کی امید ہے اس کے لحاظ سے یہ یقینی امر ہے کہ اس بندرگاہ
میں اسقدر جہاز برابر تیار ہو سکیں گے۔ جسقدر پرائیویٹ انگریز سوداگروں
کو مال تجارت پہنچانے کے لیئے درکار ہونگے۔

[2] ہندوستان کے معاملات پر غور پرداخت جو سنہ ۱۸۸۱ء میں لفٹننٹ
کرنل اے واکر نے لکھی۔ ایچ۔ ایل۔ ۱۸۵۳ (۶۰۴۴۵) صفحہ ۳۱۶

ہے۔ ٹن بھی ہندوستان میں اچھی قسم کی بہت پیدا ہوتی ہے۔ یہ بھی
اندازہ کیا گیا ہے کہ انگریزی بحری فوج کا ہر ایک جہاز ہر بارہ سال
کے بعد از سر نو تیار کیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی بخوبی معلوم ہے کہ ساگوان
کا بنا ہوا جہاز پچاس سال سے بھی زیادہ عرصہ تک چل سکتا ہے
بمبئی کے بہت سے بنے ہوئے جہاز چودہ پندرہ سال کے بعد بحری
فوج کے لئے خریدے گئے تو نہایت مضبوط پائے گئے۔ بحیر یقین
ہے کہ جہاز موسومہ بہ سرا یڈورڈ ہیوز آٹھ سفر سوداگری کے کر چکا تھا
کہ بحری فوج کے لئے خرید کیا گیا۔ حالانکہ یوروپ کا بنا ہوا کوئی جہاز
چھ سفر بھی سلامتی کے ساتھ طے نہیں کر سکتا
بمبئی میں جو جہاز بنتے ہیں ان پر انگلینڈ کی پچیس فیصدی کم لاگت
خرچ ہوتی ہے
ان اقوال کا اندازہ کیا جائے تو فایدہ صاف دکھائی دیگا۔ ہر ۱۸
ماہ میں دو جہاز انگریزی بحری فوج میں ایزاد کیے جا سکتے ہیں۔ یعنی
سہ سال میں چار اور پندرہ سال میں بیس۔ اسیطرح پندرہ سال کے
عرصہ میں ہمارے پاس ایک بیڑہ ایسا ہو جائیگا۔ جو پچاس سال تک
چل سکتا ہے اس حساب سے انگریزی بنے ہوئے جہازوں پر جو
ہر بارہ سال کے بعد از سر نو بنائے جاتے ہیں چار گنے زیادہ خرچ
ہوگا۔ فرض کرو کہ انگلینڈ میں ایک جہاز کے بنانے پر
ایک سو پونڈ خرچ ہو۔ تو پچاس سال میں تین دفعہ تجدید کرنے
سے اس پر کل خرچ چار سو پونڈ آجائیگا۔ لیکن اگر اتنی طاقت کا
جہاز بمبئی میں بنایا جائے۔ تو اس پر صرف پچھتر پونڈ خرچ ہونگے
اور پچاس سال تک جوں کا توں رہیگا۔ اسیطرح ہم کو ۳۲۵ پونڈ
فیصدی کی بچت ہوگی۔ اور اگر ہم اصلی قیمت جہاز کی لگائیں۔ تو
حسب ذیل نتیجہ نکلے گا۔ ایک جہاز پر اصلی لاگت انگلینڈ میں ایک
لاکھ پونڈ آتی ہے۔

پچاس سال اس کی تجدید کرنے میں ۴ لاکھ پونڈ خرچ ہونگے
بمبئی میں ایک جہاز پر پچھتر ہزار پونڈ خرچ ہوتے ہیں
اسطرح فی جہاز ہم کو تین لاکھ پچیس ہزار پونڈ کی بچت ہوگی
یہ اندازہ کسی قدر زیادہ ہے لیکن اگر اس سے نصف روپیہ کی بھی بچت ہو۔
تو دیکھئے کسقدر فایدہ ہوتا ہے۔

اگر ہتھیار جہاز غیر ممالک کے ہمارے ہاتھ نہ آجاتے تو غالباً ہم کو اپنی بحری فوج کامل رکھنے میں بڑی مشکل پیش آتی۔ کیا اسکی یہ وجہ ہے کہ بہت سے لوٹ کے جہاز ہمارے بندرگاہوں میں آگئے ہیں یا یہ کہ ہندوستانی ساخت کے جہازوں کا ہم حسد کھاتے ہیں کہ ہم نے ہندوستان میں جہاز تیار کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی؟

میجر کوپر انجنیئر کی نگرانی میں جو ڈاکز (جہاز بنانے کی جگہ) بمبئی میں بنائے گئے ہیں وہ اعلی درجہ کی کاریگری کا نمونہ ہیں۔ اور ان کو دیکھکر انسان دنگ رہجاتا ہے وہاں بڑی سی بڑی طاقت کے جہاز بھی رکھے جا سکتے ہیں۔

بنگال میں جزیرہ پرنس آف ویلز اور دیگر بحری سٹیشن عمدہ سے عمدہ جہاز تیار کر سکتے ہیں اور مذکورہ بالا تخمینہ سے انکی تعداد بڑھائی جا سکتی ہے۔ مگر میں نے تخمینہ صرف بمبئی کا لگایا ہے جہاں ڈاکز مہیا ہیں۔ اور زیادہ آسانی اور کم لاگت سے جہاز بن سکتے ہیں۔ ماسوائے اس کے بمبئی ہندوستان کا بڑا اسلحہ خانہ ہے۔

افسوس ایسی دانا اور زیرک صلاح کی کوئی قدر نہ کی گئی۔ اور نہ ہی اب کیجائے گی۔ اگر ہندوستان کو سلطنت کی کوئی بڑی خدمت ادا کرنے کا موقعہ دیا جائے۔

میں نے مذکورہ بالا عبارت یہ دکھانے کے لئے نقل کی ہے کہ جیسے تاریک رات میں بجلی کی چمک آنکھوں میں پھر جاتی ہے ویسے ہی یہ نظر آجائے۔ کہ دستکاری کے لحاظ سے سوائے بمبئی کے کپڑا بننے کو چند

نکارخانوں کے لارڈ کرزن کا ہندوستان۔ لارڈ ولزلی کے ہندوستان سے کس قدر پیچھے ہے۔ جوں جوں گزشتہ صدی کی تاریخ حکومت ہند کی یادداشتیں میں نے دیکھی ہیں۔ ووں ووں مجھے ایسی نظیریں ملی ہیں۔ جن سے اینگلو انڈین حکام کی کوتاہیاں مترشح ہوتی ہیں اور میرے دل کو یہ دیکھکر بڑا صدمہ پہنچا ہے کہ کس طرح مغربی سمندروں کی مالکہ (انگلینڈ) نے شرقی سمندروں کی مالکہ (ہندوستان) کو جان سے مار ڈالا ہے۔ پچھلے صدی کے انتہائی شمار اعداد نہیں ملے ہیں۔ نے جو کچھ ہندوستان کی بابت معلوم کیا ہے وہ لال کتابوں اور ان کتابوں سے حاصل کیا ہے جو ہندوستان کے متعلق بالعموم حکام نے لکھی ہیں ان سے مندرجہ ذیل فیگر معلوم ہوتے ہیں۔

سنہ ۱۸۵۷ء	جہاز	ٹن
ہندوستانی جہاز سے انگلینڈ	۳۴۲۸۹	۱۲۱۹۹۵۸
برٹش اور برٹش انڈین	۵۹۸۴۱	۲۴۷۵۸۷۲

۱۸۹۸-۹۹

ہندوستانی جہاز	۲۳۰۲	۱۳۳۰۲۳
برٹش اور برٹش انڈین	۶۲۱۹	۷۶۸۵۰۰۹
غیر ممالک کے	۱۱۶۵	۱۲۹۷۶۰۷

اس سے ظاہر ہے کہ سنہ ۱۸۵۷ء میں ہندوستانی جہازوں کی تعداد برٹش اور غیر ممالک سے نصف تھی۔ مگر سنہ ۱۸۹۸-۹۹ء میں ستروان حصہ رہگئی۔ مسٹر او کانر کی رپورٹ میں جو ہندوستان کی تجارت سنہ ۱۸۹۹-۱۹۰۰ء پر لکھی گئی۔ اور جو ایک سال بعد کی ہے مندرجہ ذیل اعداد ملتے ہیں۔ جو ظاہر کرتے ہیں۔ کہ کس طرح ہندوستان میں جہاز بنانے کی دستکاری بالکل کم ہوگئی۔

ہندوستانی جہاز سنہ ۱۸۹۸-۹۹ء میں ۔ تعداد جہاز ۲۳۰۲ — ٹن ۱۳۳۰۲۳۔

سنہ ۱۸۹۹-۱۹۰۰ء میں ۔ ۱۷۶۹ — ۱۰۹۸۱۳

غرض بالعموم ہندوستانی دستکاریاں شروع انیسویں صدی کے خیالات کے مطابق دیدہ و دانستہ تباہ کر دیگئیں۔ برٹش حکام اکثر یہ عذر پیش کردیتے

ہیں۔ کہ جو کچھ ہمیں زمانہ سکھاتا رہا ہم کرتے رہے۔ لیکن یہ عذر اس اصول سے رد ہو جاتا ہے جس پر ہم نے اس ملک کو اپنے قبضہ میں لیا تھا۔ جو داستان میں سنانے لگا ہوں۔ اس سے ان اقوال پر عجیب روشنی پڑے گی۔ جو ہم اکثر کہا کرتے ہیں کہ ہم ہندوستان میں صرف ہندوستانیوں کے فایدہ کی خاطر ٹھیرے ہوئے ہیں۔ اور ہمارا اپنا فایدہ اس کے بعد ہے"

"شاید کسی گورنمنٹ نے اس سے زیادہ لوگوں کی بہبودی کے متعلق متواتر خواہش ظاہر نہیں کی۔ اور میں بڑے فخر اور اطمینان کے ساتھ اس کے حق میں گواہی دیتا ہوں" یہ قول مسٹر سینٹ جارج ٹکر کا ہے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک ڈائرکٹر تھا۔ جو اپنی مدح سرائی میں واقعات کی جگہ خیالات پیش کر کے قابل تمسخر بن گیا ہے۔ چنانچہ اس نے کہا۔

"دوسری طرف ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہماری تجارتی پالیسی کیا ہے جو ہم نے اس ملک میں ہندوستان کے متعلق اختیار کر رکھی ہے؟ ریشمی کپڑا اور سوت اور ریشم ملا ہوا کپڑا مدت ہوئی۔ ہماری بازار وں سے نکال دیا گیا ہے اور تھوڑا عرصہ ہوا کہ کچھ تو محصول ۷۰ فیصدی لگانے سے اور کچھ اس لئے کہ ہمارا کلوں سے بنا ہوا کپڑا بہت اعلیٰ ہے۔ ہندوستان کا کپڑا نہ صرف اس ملک میں آنا ہی بند کر دیا گیا ہے۔ بلکہ ہم اپنے ایشیائی مقبوضات میں بہت سا کپڑا بھیجتے ہیں۔"

دراصل ہم نے ہندوستان کو مجبور کر دیا کہ وہ ہمارا اسباب خریدا کرے..... کیونکہ انگریزی اشیاء اول تو محصول سے مستثنیٰ کر دی گئیں۔ اور اگر یہ محصول لگایا بھی گیا۔ تو صرف برائے نام۔ لیکن ہندوستان کی اشیاء کے ساتھ ہم نے جو سلوک کیا۔ وہ مسٹر ٹکر[1] کے مذکورہ بالا عبارت سے عیاں ہے میں یہاں مسٹر ریکرڈز کی شہادت بھی نقل کرتا ہوں[2] جو یہ ہے۔

ہندوستان کی بہت سی اشیاء پر محصول نہایت ہی سخت لگایا گیا ہے۔ بدوں کسی مقررہ اصول کو مدنظر رکھنے یا بازاری نرخ کا کچھ لحاظ کرنے کے مثلاً

مصبر پر محصول	۷۰	سے	۲۸۰	فیصدی تک
ہینگ پر	۲۲۴	سے	۶۲۲	فیصدی تک
الائچی پر	۱۵۰	سے	۲۶۶	"
کافی پر	۲۶۶	سے	۴۰۰	"
کھانڈ پر	۹۴	سے	۳۹۳	"
چاء پر	۲	سے	۱۰۰	تک "

[1] ایک چٹھی میں سے جو مسٹر ہسکسن کو ۱۸۲۳ء میں لکھی گئی۔ انڈین گورنمنٹ کی یادداشتیں۔ رچرڈ ڈنٹلے ۱۸۵۳ء صفحہ ۴۹۴

[2] ۱۸۳۲ء رپورٹ سلیکٹ کمیٹی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی ۱۸۳۲ء ضمیمہ صفحہ ۵۸۱

لیکن انگریزی اشیاء جو ہندوستان میں جاتی ہیں ان پر محصول بالکل
معاف ہے اور صرف کپڑے پر اڑھائی فیصدی ہے ان دونوں
باتوں کا مقابلہ کیا جائے۔ تو اس مسئلہ کی اصلی کیفیت ذہن میں
آجاتی ہے۔

کمپنی کے حدود میں۔ ہندوستانی بھی انگریزی۔ سکاچ۔ اور آئرش
کیطرح برٹش گورنمنٹ کی رعایا ہیں۔ یہ انصاف کا کوئی اصول نہیں۔
کہ ایک ہی سلطنت کی رعایا کے ایک فریق کے ساتھ رعایت کیجائے
اور دوسرے فریق پر ظلم و تشدد کیا جائے۔ انگریزی اشیاء کے ساتھ
تو اتنی رعایت ہو کہ اس پر انڈیا میں نہایت خفیف محصول لگایا
جائے۔ اور جب ہندوستان کی اشیاء انگلینڈ میں بھیجی جائیں
تو ان پر اسقدر شدید محصول لگایا جائے۔ کہ بازار میں فروخت
نہ ہو سکیں۔ کیا ہندوستانی اس سلوک کے شاکی نہیں ہیں؟

سنہ ۱۸۱۳ء میں ہندوستان کے سوتی کپڑے پر انگلینڈ میں مندرجہ ذیل
محصول لگایا گیا۔

	پونڈ	شلنگ	پنس
پھولدار یا دھاریدار سفید ململ قیمتی سو پونڈ پر	۳۲	۹	۲
مزید براں ،، ،،	۱۱	۱۶	۹
چھینٹ اور ڈوریہ ،، ،،	۸۱	۱۲	۱۱
مزید براں ،، ،،	۳	۱۹	۱۲
روئی فیصدی پونڈ	۰	۱۴	۱۱
روئی کے کپڑے	۸۱	۲	۱۱
بالکل روئی یا ملاوٹ کے کپڑے قیمتی سو پونڈ پر	۳۲	۹	۲
اونی کپڑے ،، ،،	۸۴	۶	۳
روغنی برتن	۸۱	۲	۱۱
چٹائیاں	۸۴	۶	۳
سونف کا تیل ،، ،،	۸۴	۶	۳

گری کا تیل فی ٹن " ۸۴ - ۸ - ۳
چار ۱۸۱۴ء میں ۹۶ ......

یہ ناقابل برداشت محصول آخر کار منسوخ کئے گئے۔ مگر اس وقت جبکہ ہندوستانی دستکاری تباہ ہو گئی۔ اور ہندوستان کی ساختہ اشیاء انگلینڈ میں جانی بند ہو گئیں۔ گزشتہ صدی میں جو کارخانے ہندوستان میں جاری ہوئے ہیں۔ انکی تفصیل اس باب میں دیگئی ہے جس کا عنوان ہندوستان کی آمدنی کے ذرائع۔ اور کس کے قبضہ میں آیا ہے ہر ایک بات کو مدنظر رکھکر یہ صاف نظر آرہا ہے کہ دنیا کے لاکھوں کارخانوں کے شور و پکار میں ہندوستان کی آواز مطلق سنائی نہیں دیتی۔ حالانکہ ہندوستان بھی برٹش ملک ہے اور ہندوستان کی آبادی دنیا کا پانچواں حصہ ہے کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ انکی مخلوق حرفت کاری کے زمانہ میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لے رہی۔ ایک وقت تھا۔ کہ ہندوستان میں دستکاری بڑے زور پر تھی۔ اور اسکی ساختہ اشیاء غیر ممالک میں بھی جاتی تھیں۔ لیکن اب سوائے مغربی احاطہ کے جہاں ہندوستان بھر میں نہایت غریب کاشتکار آباد ہیں۔ ہندوستان کو کوئی تفوق حاصل نہیں۔

سرکاری ملازمت

سنہ ۱۸۴۹ء ہندوستان کا بہت سا حصہ انگریزی حکومت میں شامل کیا گیا اس سے پچاس سال بعد لارنس بھائیوں اور دیگر حکام نے پانچ دریاؤں کے ملک (پنجاب) کا بندوبست شروع کیا۔ اس سے پہلے صوبجات شمال مغربی کا شاہ گن بندوبست کیا گیا جس کے متعلق اخبار پائنیر نے گورنمنٹ کے بندوبست کا حال بیان کیا ہے جو جان لارنس نے کیا تھا۔ ایک سو سال گذرے ہیں۔ کہ ہندوستان کی عدالتوں میں ہندوستانی کی بڑی مدنی اور عزت کے عہدوں پر ممتاز ہے۔ جس سے ہزاروں قابل آدمیوں کی ہوس پوری ہوئی۔ ہزاروں خاندان پرورش پاتے۔ اور ملک کا روپیہ ملک میں ہی عام طور پر خرچ ہونے سے عوام الناس آسودہ اور خوشحال

حالت میں تھے۔ کوئی شبہ نہیں کہ کبھی کبھی لڑائیاں بھی ہوتی تھیں جبر اور تشدد کے واقعات بھی پیش آتے تھے۔ لیکن اسطرح اگر وس آدمیوں کو نقصان پہنچتا تھا۔ تو وس ہزار کو فایدہ پہنچتا تھا۔ ہر مختلف قسم کی ملازمتیں اور پیشے لوگوں کے لئے کھلے پڑے تھے۔ ان سے جو فایدہ لوگوں کو پہنچتا تھا۔ وہ اس بے انضافی سے بہت ہی زیادہ تھا۔ جو کبھی کبھی ہو جاتی تھی۔ اس ملک کے تمام حصوں میں سوائے انگریزی مقبوضات کے سو سال گزرے ہیں ہندوستانی اپنی شجاعت اور قابلیت کے مطابق عہدے حاصل کر لیتے تھے۔ ہر ایک مہذب ملک میں کسی قدر عہدہ دار ضرور ہوتے ہیں۔ جہاں اب یوروپین مقرر ہیں وہاں پہلے ہندوستانی درخت کی سب سے اونچی شاخ پر ممتاز تھے۔ لیکن اب جو حالت ہے وہ صرف ایک ہی فقرہ میں بیان کی جاسکتی ہے۔

ایک ہندوستانی بھی تمام صدی کے عرصہ میں سپریم۔ پریزیڈنسی یا پراونشل اگزکٹو کونسل کا ممبر نہیں بنایا گیا۔ اور نہ ہی وزیر ہند کی کونسل میں کسی دیسی کو آجتک نامزد کیا گیا۔

یہ درست ہے کہ اس زمانہ میں برٹش انڈیا کی آبادی کی اوسط پندرہ کروڑ

۱۸۶۸ء میں ضلع گوڑگانوں کی آبادی ۷ لاکھ تھی۔ ۱۸۳۷ء سے (لارڈ لارنس۔ جو اسوقت مسٹر لارنس۔ اور مہتمم بندوبست تھا) اس ضلع کا مالیہ نہایت سخت ہوتا چلا آیا ہے ۱۸۶۷ء میں مالیہ اور بڑھا گیا۔ بارشیں نہ ہوئیں۔ فصل ماری گئی۔ مگر سرکاری معاملہ برابر وصول کر لیا گیا۔ جس کا حسب ذیل نتیجہ ہوا۔

پانچ سال کے بعد معلوم ہوا کہ اسی ہزار آدمی مر گئے ہیں۔ ڈیڑھ لاکھ مواشی ضائع ہو گئے۔ دو لاکھ روپیہ سرکار کا معاملہ ادا کرنے کے لئے لوگوں نے قرض اٹھایا۔ لوگ ایسے پامال ہو گئے کہ جب فصل اچھی ہو گئی۔ تو وہ اسے کاٹنے کے ناقابل تھے۔

مسٹر ایس۔ ایس۔ تھاربرن نے جو پنجاب کا ایک کمشنر تھا۔ لکھتا ہے کہ پنجاب پر قبضہ کر کے انگریزوں نے پہلا کام یہ کیا۔ کہ مالیہ بہت بڑھا دیا اور گوڑگانوں میں تو ہم کو بسم اللہ ہی غلط ہوئی اور بڑی نادانی اور بیوقوفی سے وہاں معاملہ ایزاد کیا گیا۔

رہی ہے۔ اور اس کثیر آبادی میں سے ایک آدمی بھی پیدا نہیں ہوا جو مذکورہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۷ - وہ اہل فن جماعت سے جس کا ہمیں لحاظ رکھنا چاہئے وہ ہماری حکومت سے مستفید نہیں ہوئے اور نہ ہو سکتے ہیں۔ اس بات کا انہیں بڑا رنج ہے کہ وہ باتیں جن پر وہ فخر کرتے تھے۔ معدوم ہوتی جاتی ہیں۔ یعنی ہندوستانی ہنر ہندوستانی صنعت اور ہندوستانی جنگی جوش آہستہ آہستہ فرو ہو رہا ہے یوروپین لوگ بھی اب اس بات کو محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ فن تعمیر، انجنیرنگ اور علمی فنون بالکل مردہ ہو گئے ہیں۔ ایسے مردہ کہ اینگلو انڈین کو شبہ ہے۔ کہ ہندوستان میں فن عمارات کا مادہ موجود تھا۔ حالانکہ بنارس کو ہندوستانیوں نے ہی تعمیر کیا۔ اور تنجور کی مصنوعی جھیل کھودی۔ وہ یہ بھی شک کرتے ہیں۔ کہ ہندوستان میں شاعر بھی تھے۔ حالانکہ لوگ گھنٹوں بیٹھ کر شعر سنتے ہیں اور اور ان سے اسقدر متاثر ہوتے ہیں۔ کہ ٹینی سن کے شعروں سے ہماری ملک کے عوام الناس متاثر نہیں ہو سکتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہماری ناقص انصاف کی وہ یہ قیمت ڈالتے ہیں کہ اس سے وہ اپنے آپ کو سدھار نہیں سکتے۔ انتقام کی لذت حاصل نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی اپنی ذاتی عزت اور حرمت کو محفوظ رکھ سکتے ہیں جس کے بارہ میں وہ ایسے ہی غیرت مند ہیں جیسے کہ یورپیا کے افسر ہیں۔ وہ اتنا ہی نہیں کر سکتے کہ اگر کسی کی بیوی بگڑ جائے تو اسے جان سے مار سکیں اور سب سے زیادہ یہ بات ہے کہ زندگی کی دلچسپی کو وہ بالکل کھو بیٹھے ہیں۔

معمولی انگریز کو یہ بات سمجھانی مشکل ہوگی۔ کہ ہماری آمد سے پہلے ہندوستانیوں کی زندگی کسقدر دلچسپ تھی۔ شجاع، مستعد اور امنگ والے آدمی کے لئے منزل مقصود تک پہنچنے کی راہ بالکل کشادہ تھی۔ طاقتور کے آگے ملک کا ملک نہایت عمدہ شکار پڑا ہوا تھا۔ ملک کا عام خیال یہ تھا بلکہ یہ فیصلہ شدہ امر تھا۔ کہ تیمور لنگ کی اولاد اعلیٰ عہدہ پر جو اس کے ہاتھ آ سکے۔ اور جس کو وہ سنبھال سکے۔ ممتاز ہونے کی حقدار ہے۔ تاتاری نسل کا اور کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی تخت عظیم کا مدعی نہیں بن سکتا تھا۔ مگر اس کے ماسوائے

بالاعہد دکے قابل ہوسکے۔ لیکن ماتحت ریاستوں میں باوجود ریذیڈنٹوں کی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۸۔ باقی تمام شکار اس شخص کو میسر ہوسکتے تھے جس کے پاس ضروری طاقت موجود ہوتی۔ بیسیوں چھوٹے چھوٹے تخت ملک میں نکلے۔ ایک قزاق (کیونکہ سیواجی اس سے بہتر نہیں تھا) طاقتور بادشاہ بن گیا۔ ایک گڈریے نے بڑودہ کی ریاست قایم کی۔ ایک خدمتگار نے سندھیا خاندان کی بنا ڈالی۔ ایک جمعدار نے میسور کا خود مختار تاج حاصل کر لیا۔ پہلا نظام شہنشاہ کا صرف ایک افسر تھا۔ رنجیت سنگھ کا باپ ایک معمولی زمیندار تھا۔ غرض سینکڑوں چھوٹے چھوٹے بادشاہ تھے ہزاروں ایک دوسرے کے رقیب تھے۔ اور ہزاروں نے شہزادوں کے بڑے بڑے اہلکار نگیئے تھے۔ ہر ایک شخص کو اپنے ہمچشموں میں ایک خاص ناموری اور طاقت حاصل تھی۔ ہر ایک کو وہ رتبہ حاصل تھا۔ جو آج یورپ میں کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا۔

یعنی قوانین سے مستثنیٰ تھے جو چاہتے اچھا یا برا کرتے تھے۔ اور دن رات خوشامد سنتے تھے۔ جو ایشیا کی ایک خصوصیت ہے اور سننے والے کے لئے بڑی بہاری مست کر دینے والی خوشی ہے ہر ایک شخص کا اپنا دربار تھا۔ اور اپنے درباری تھے۔ جو اپنے آقا کی طاقت۔ عیش اور عشرت میں برابر شریک تھے۔ اس کے ہاتھ میں زندگی اور موت کا اختیار تھا۔ جس عورت سے چاہتے عیش مناتے تھے۔ اور اسکی خوشامد گویا مذہبی عبادت تھی۔ زندگی ناٹک کی تبدیلیوں سے معمور تھی۔ جو آدمی کسی بڑے آدمی کا منظور ہوتا۔ وہ بڑا آدمی بنجاتا۔ ایک مہم ساز جس کے ہمراہی کوئی بہادری کا کام کرتے سپہ سالار بنجاتا تھا۔ کوئی شخص کسی ریاست یا رئیس کے لئے کچھ کرتا۔ یعنی کوئی مندر بناتا یا فوج کو رسد بہم پہنچاتا۔ یا تالاب تعمیر کرتا۔ یا دربار کو روپیہ قرض دیتا۔ وہ ایکدم بڑا آدمی بن جاتا۔ سب اسکی عزت کرتے۔ اور وہ عملاً قانونی پابندی سے آزاد ہو جاتا۔ اور ریاست کے معاملات میں اسے بڑا دخل حاصل ہوتا۔ بزدل آدمی بھی مشیر مال۔ یا افسر ٹیکس یا مذہبی عملہ کا عہدہ دار بن سکتا تھا۔ ہم نے یہ ساری باتیں بیخ و بن سے اڑا دی ہیں۔ مگر افسوس کہ ان کے جابجا کچھ تجویز نہیں کیا۔

دست اندازی کے بعض ایسے قابل منتظم ثابت ہوئے ہیں۔ کہ یورپ کی کسی ایک

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۹- ہم عہدہ لے سکتے ہیں اور وہ عہدہ بڑے شوق سے بوجہ
جو اوپر جگہ مذکور ہوئیں۔ قبول بھی کیا جا سکتا ہے مگر ہمارے طریقہ انتظام میں عہدہ
میں وہ اختیار شامل نہیں۔ جیسے ایشیا والے اختیار سمجھتے ہیں۔ وہ اختیار رکھنے
یہ معنی سمجھتے ہیں کہ وہ خود مختار ہوں۔ انہیں دشمن کو پامال کرنے اور دوست کو
معزز بنانے کا حق حاصل ہو۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ انہیں ان تمام قانونی
پابندیوں اور ذمہ واریوں سے مستثنی رہنے کا استحقاق ہو۔ جن سے یوروپینوں
نے انکی زندگی دوبھر کر دی ہے۔ ہمارے وائسرائے کو بھی یہ اختیار نہیں۔ کہ اس کا حکم
قطعی سمجھا جاوے۔ اور اسکی اپیل نہ ہو سکے۔ یا وہ کسی غلطی کو صحیح کر سکے۔ حالانکہ
ایشیا میں بادشاہ کو خدا کا سایہ خیال کرتے ہیں۔ اور اس لئے انکی نگاہ میں ہماری
طرز حکومت ایسی ہے کہ گویا ہم اخلاقاً ان پر حکومت کرنے کا حق نہیں رکھتے
زندگی کی دلچسپی کوئی شبہ نہیں کہ بڑے خطرہ اور تکلیف کے داموں خریدی جاتی
تھی۔ بادشاہ اور اس کے منظور نظر۔ اور مقتدر اہلکار جیسے جلدی اوپر اٹھائے
جاتے تھے۔ ویسے ہی نیچے گرا دیئے جاتے تھے۔ اور جو شخص کامیاب ہوتا تھا اس
کے خلاف سازش برابر ہوتی رہتی تھی۔ ملک میں فساد بپا رہتا تھا۔ باہمی لڑائیاں
ہوتی رہتی تھیں۔ مقتدر آدمیوں کو قتل ہونے سے اپنی حفاظت ویسی ہی
کرنی پڑتی تھی۔ جیسی کہ روس کے شہنشاہ کو کرنی پڑتی ہے بغاوتوں۔ حملوں
اور غدروں کا اندیشہ ہر وقت لگا رہتا تھا۔ گو حالت یہ تھی مگر مجھے اس میں کلام ہے کہ
اسے ناقص خیال کیا جاوے۔ زمانہ وسطی میں یوروپ کی اعلی جماعتیں
ان حالات کو نقصانات سے تعبیر نہیں کرتی تھیں۔ اور وہ اعلی جماعتیں کبھی قسمت
پر شاکر نہیں رہتی تھیں۔ جیسے کہ ان کے حریف ہندوستانی تھے۔ میں کبھی خیال
نہیں کرتا۔ کہ ٹیکسس کے باشندے اپنی وحشیانہ زندگی کو پسند نہیں کرتے یا امریکہ
کے ہسپانی لوگ امریکہ انگریزوں کے اس بارہ میں شکر گذار ہیں کہ انہوں نے انکی
آزادی چھین کر انکی جان و مال محفوظ کر دی۔ میرا پختہ یقین ہے کہ ہندوستان
کے اہل فن کے لئے قدیم زمانہ زیادہ خوش زمانہ تھا۔ وہ ہماری حکومت کو اس

ملک یا امریکہ کے سرکردہ مدبروں کے ہم پلہ سمجھے گئے ہیں یہ آدمی سوائے ایک آدھ
کے انگریزی ملازمت میں ماتحت افسر تھے۔ اور اگر انہیں ریاستوں میں جانیکا
موقعہ نہ ملتا۔ تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ انگریزی ملازمت میں ڈپٹی کلکٹر سے زیادہ
عہدہ پر کبھی نہ پہنچ سکتے۔ سر سالار جنگ۔ سر مادھوراؤ۔ سر ڈنکر راؤ۔ سر شیشادری
آئر اور بہت سے دیگر ہندوستانی منتظم ایسے لوگ تھے۔ کہ اگر پرانے زمانہ کا اعتبار
اور بھروسہ قائم رہتا۔ (جو افسوس ہے کہ تنگ ہی خیالات کی وجہ سے انگلو سیکسن لوگوں
کی خاطر بالکل اڑا دیا گیا) تو وہ ہندوستانی حکومت کو بہتر اور فیض رساں بنانے
میں آسانی ذریعہ بنتے۔ ذرا سر سالار جنگ کے انتظام کا انگریزی صوبوں کیساتھ
مقابلہ کیجئے۔ تو معلوم ہو جائیگا کہ باوجود ریذیڈنٹ کی دست اندازی اور صوبہ برار
انگریزی قبضہ میں رکھنے کے باہمی اختلافات کے۔ (گو ہر ایک شرط عہدنامہ کی
پوری کر دی جائے۔ مگر پھر بھی یہ کامیابی کے راستہ میں زبردست رکاوٹیں ہیں)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۰۔ لئے سخت ناپسند کرتے ہیں۔ کہ ہم نے پرانی ترتیب بدل
دی ہے اور نیز ہم مجبور ہیں۔ میرے خیال میں وہ پرانی بدنظمی کو خوش آمدید کہنے پر
تیار ہیں۔ بشرطیکہ اُس کے ساتھ ان کے قدیم اختیارات اور زندگی کی دلچسپیاں
بھی آ جائیں۔ نظام کے علاقہ اور صوبہ برار کے حالات میں چنداں فرق نہیں۔
کیونکہ علاقے باہم ملے ہوتے ہیں۔ صوبہ برار کا اتنا بڑا بھاری خرچ اور نظام
سے ایسے زرخیز صوبے دبائے رکھنا عرصہ سے لوگوں کو معلوم ہے۔ یہ ایسا
معاملہ ہے کہ اگر انگریزوں کے ساتھ کوئی دیسی رئیس کرتا تو انگریزی پبلک
شرفی بد دیانتی پر ایسے گندے حاشئے چڑھاتی۔ کہ پارلیمنٹ میں بولے
جانے کے نامناسب خیال کئے جاتے۔

سر سالار جنگ بڑے عزم کے ساتھ متواتر ایک خاص مقصد کیطرف لگا رہا۔ اس طرح سر سالار جنگ اور دیگر دیسی منتظموں کو اپنے اپنے حلقہ میں وہ اختیارات حاصل ہوگئے جنکی عظمت بآسانی نظر انداز کی جاسکتی ہے۔ لارڈ سالسبری نے ہندوستان کی حکومت کی نسبت کہا تھا کہ یہ متواتر تبدیلیوں کی حکومت ہے یا یوں کہو کہ یہ ایسے بادشاہوں کی خود مختار حکومت ہے جنہیں آب و ہوا کے لحاظ سے ہر پانچ سال کے بعد علیحدہ ہونا پڑتا ہے لیکن یہی کچھ کسی قدر برٹش حکومت کی نسبت بھی کہا جاسکتا ہے اگر ہم اسباب کو مدنظر رکھیں کہ سر سالار جنگ کو اپنی پالیسی ایک ایسی عرصہ تک چلانے کا موقعہ ملا۔ پھر بھی جو کچھ اس نے کر دکھایا۔ اس کے لحاظ سے وہ ہندوستانی منتظموں میں اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ میں نے سولہ سال گذرے ہیں ایک مقابلہ تیار کیا تھا۔ جو حسب ذیل ہے

خالص مالیہ جو وصول ہوا

ریاست نظام (روپیہ)	برٹش ہندوستانی سلطنت (پونڈ)
مالیہ وصول شدہ ۱۸۵۳ء میں ۶۴۸۵۰۹۸	مالیہ وصول شدہ ۱۸۵۳ء میں ۱۶۱۹۰۰۰۰
۱۸۸۱ء میں ۱۸۳۴۰۸۶۱	۱۸۸۱ء میں ۲۱۸۶۰۰۰۰
ایزادی ــــــ ۱۱۸۵۵۷۶۳	ایزادی ــــــ ۵۶۵۰۰۰۰
ایزادی بحساب فیصدی = ۲۶۰ فیصدی	ایزادی بحساب فیصدی ۲۵ فیصدی

ایزادی کل آمدنی

سر سالار جنگ کے پہلے سال تقرر اور آخر سال کا مقابلہ

کل آمدنی ۱۸۵۳ء میں ۔ ۶۸۰۱۱۳۰ روپیہ	کل آمدنی ۸۲-۱۸۸۱ء میں ۔ ۳۱۱۴۰۵۳۸ روپیہ

یا یوں کہو کہ کل آمدنی میں ایزادی ۳۵۷ر۸۴ فیصدی ہوئی۔ یہ ایک شخص کی غور و خوض احتیاط عزم بالجزم اور انتھک محنت کا نتیجہ تھا۔ ان عجیب اوصاف میں سر سالار جنگ اپنی تمام ہمعصروں سے اول درجہ پر شمار کیا گیا ہے خواہ وہ دیسی تھے اور خواہ انگلو انڈین۔

آمدنی رسوم کی وصولی کا خرچ

ریاست نظام	برار
اوسط فیصدی (روپیہ آنہ پائی) ۶ - ۷ - ۳	اوسط فیصدی (روپیہ آنہ پائی) ۴۵ - ۱۴ - ۵

آمدنی کا مقابلہ

ریاست نظام	برٹش ہندوستانی سلطنت
آمدنی ۱۸۵۳ء میں — ۶۸۰۱۱۳۰ روپیہ	آمدنی ۱۸۵۳ء میں — ۲۸۶۱۰۰۰۰ پونڈ
ر ۱۸۸۱ء میں — ۳۱۱۴۰۶۵۸	ر ۱۸۸۱ء میں — ۶۸۳۷۰۰۰۰
ابزادی — ۲۴۳۳۹۵۲۸	ابزادی — ۳۹۷۶۰۰۰۰
ابزادی بحساب فیصدی۔ قریباً ۳۵۷٫۸۴	ابزادی بحساب فیصدی ۲۳۰ فیصدی

غالباً یہ کہا جائیگا۔ کہ سر سالار جنگ نے بھی یہ سب کچھ اس وجہ سے کیا کہ اس نے انگریزی تجویز کی پیروی کی ہیں اس کو تسلیم کر لیتا ہوں۔ کیونکہ میری مراد برٹش حکومت کو دور پھینکدینے کی نہیں۔ بلکہ میری مراد یہ ہے کہ اس حکومت کو ایسے سانچے میں ڈہالا جائے۔ کہ باشندوں کی خوشحالی اور ملک کی سر سبزی کے مناسب حال ہو۔ ہندوستانیوں کو جو بڑی قابلیت اور دانائی سے اپنے ملک کے معاملات کا انتظام کرنے اعلی ملازمت میں داخل نہ کرنے سے جو نقصان انکو پہنچا ہے اس کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے جو کچھہ کہ رنجیت سنگہ نے کرکٹ کھیلنے میں انگلینڈ اور اسٹریلیا کے کھلاڑیوں کو کر دکھایا۔ جو کچھہ پرانجپی۔ بالک رام۔ چیٹرجی اور کاما برادرز نے کیمبرج یونیورسٹی میں برطانیہ کے تمام حصوں کے ذہنی اور علمی پہلوانوں کو دکھایا۔ جو کچھہ پروفیسر بوس بجلی کے فن میں کر رہا ہے۔ اور ڈاکٹر مولک فن طب میں۔ ہندوستانی صرف معدودے چند ہائیکورٹ کے جج ہیں جو ایک درجن بھی نہیں۔ کوئی چالیس دیسی وکیل ہونگے۔ کہیں کہیں ایک دیسی کلکٹر ہے اور صرف ایک دیسی کمشنر بنگال میں ہے۔ لیکن یہ تعداد اس تعداد کے مقابلہ میں صفر ہے جو منصفانہ اور واجبی طرز حکومت میں انکی ہونی چاہیے تھی۔ ہندوستانیوں نے بڑے بڑے کار نمایاں کئے ہیں۔ مگر یا تو دیسی ریاستوں میں اور یا انگلینڈ میں جہاں انکو اپنے جوہر دکھانے کا کافی میدان ملا۔ جو میدان انہیں اپنے ملک میں

نہ دیا گیا۔ اور صاف بات تو یہ ہے کہ اگر ہندوستانیوں کو موقعہ دیا جاتا۔ تو ان میں
سے ایک ایک بسمارک۔ کیوور۔ گارنشکوینٹ۔ گلیڈسٹن اور ڈزرلی کا ثانی ہوتا
سر جان میلکم نے اپنے زمانہ میں حکام بالادست کو صاف جتا دیا۔ کہ جو راستہ
انہوں نے عرصہ سے اختیار کر رکھا ہے وہ نادانی اور بے انصافی سے ملا ہوا
ہے لطف یہ ہے کہ جو الفاظ پشتیں گذریں۔ ہندوستان کے مناسب حال کہے گئے
وہ اب تک اس کے مناسب حال پائے جاتے ہیں۔ سر جان نے اسوقت کہا تھا
کہ بلاشبہ اس بات کی وجوہات پیش کیجاتی ہیں۔ جن سے دیسیوں کو انگریزوں کے
برابر درجہ پر نہیں رکھا جاسکتا۔ ہماری پالیسی مجبور کرتی ہے کہ انکی امنگ کو
سول اور فوجی ملازمت میں ادنی درجہ تک محدود رکھیں۔ مگر میرے خیال میں
یہی ضرورت اسبات کی زبردست دلیل ہے کہ ہم سلامتی کے ساتھ جو کچھ دے سکتے
ہیں۔ انہیں دینا چاہئے۔ انمیں نخوت اور ناموری کی محبت بہت ہی زیادہ ہے
اور اگر حکمت عملی سے ان جذبات کو تسکین دی جائے۔ تو اس سے ایک ناموری
دیسی امیر جماعت پیدا ہو جائیگی۔ جنکو شریفانہ اور معزز کام کرنے کی تحریک
ہوگی۔ جو بجالت دیگر اپنے ذہن میں اور اپنے ہمچشموں میں ذلیل سمجھے جائینگے
اور جو بجائے امن قایم رکھنے کے قابل ہونے کے اور اپنی سوسایٹی کو زینت
بخشنے کے۔ یا گورنمنٹ کو جس کے وہ ماتحت ہیں طاقت دینے کے ہمارے دباؤ کے
طریقہ سے ایک نکمی اور ناخوش جماعت بنجائیں گے۔ اسوقت جو ناراضگی پھیلی
ہوئی ہے اسکی وجہ بعض یہ قرار دیتے ہیں کہ لوگوں میں نیکی کا مادہ نہیں۔ اور
نہ ہی ان کے خیالات نیک ہیں۔ نیز پہلے سے انکے دلوں میں ناراضگی چلی آتی
ہے۔ مگر میری رائے میں اسکی وجہ صرف حکمرانوں کا سلوک ہے ہم اپنے طریقہ
انتظام کو اپنے خیالات کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔ ہماری گورنمنٹ کا یہ منشا رہی
کہ اس کے تمام محکموں میں کامل نگرانی اور ترتیب پائی جائے لیکن جہاں ہماری
توجہ صرف مقررہ فارموں اور قاعدوں کیطرف لگی رہتی ہے۔ وہاں ہم راج
نیتی کے اصل اصول کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں۔ اور اسطرح ہماری
عدالتہائے انصاف میں ہمارے کاروبار کی شکل و صورت میں فتور

پڑ جاتا ہے۔ کوئی ایسی غرض مدِ نظر نہیں رکھی جاتی۔ جو ان کے عادات اور تقاضات کے موافق ہو۔ اور جو ان کے دلوں کو متحرک کر کے انہیں نیکی کے شغلے بھڑکا دے۔ یا انہیں معززانہ امنگیں پیدا کر دے۔ لیکن طریقہ حکومت کی پیروی کرنے پر بھی ہمارے انتظام کی خوبیوں کی مدح سرائی کے ریکارڈ ڈھیرے جاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ہندوستانیوں اور خصوصاً ان کی اعلیٰ جماعتوں کی ہم مذمت کرتے ہیں۔ جنہیں ایک مقدمہ میں جو میرے سامنے پیش ہوا کسی اور وجہ سے نہیں۔ بلکہ صرف اس طریقہ کی پیروی کے خیال سے) چند ایک غیر ضروری حقوق سے محروم رکھنے کی خواہش کی گئی ہے۔ جو گو ناموری کے سوا کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ مگر جماعت کے کیریکٹر عجیب طور سے ظاہر کرتے ہیں۔ اور مجھے میرے اعتقاد میں پختہ کرتے ہیں۔ کہ ہم نے اپنی دیسی رعایا کی اعلیٰ جماعتوں کو معزز اور خوشحال بنانے میں غفلت کرنے سے وہ زبردست ذریعہ ہاتھ سے پھینک دیا ہے جو اپنی سلطنت کو سرسبز اور برقرار رکھنے کے لئے ہمارے قبضہ میں تھا؟

اخلاقی - ذہنی اور روحانی حالت

اس واقعات سے پر زمانہ میں ہندوستان باوجود اپنی تمام خوبیوں کے ترقی کے درجہ میں کسی ملک کے مقابلہ پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ کاش کوئی انگریز بغیر شرمندہ ہونے کے یہ سوال کر سکے! باوجودیکہ ہندوستانیوں کو قدرت نے بڑی جنگی شجاعت۔ انتظامی قابلیت۔ روحانی ورک اور مقدس زندگی عطا کر رکھی ہے۔ کیا ہندوستان اس بیسویں صدی میں دنیا کے بڑے آدمیوں کے مقابل کوئی آدمی کھڑا کر سکتا ہے؟ اس کا جواب مندرجہ ذیل ہے:-

بس یہی جواب ہے ناظرین حیران ہیں گے کہ اس خالی جگہ چھوڑ دینے سے کیا مراد ہے اور

یہ کیا جواب ہے۔ اسکی مراد یہی ہے اور یہی اس سوال کا صحیح جواب ہے کہ "ایک بھی
نہیں"۔ بیشک مطلق کوئی نہیں ہندوستان نے اخلاقی۔ ذہنی اور روحانی
میدان میں کوئی آدمی پیدا نہیں کیا۔ جو یورپ کے اور امریکہ کے مشہور لوگوں
کے مقابلہ میں آسکے۔ اسکی ایک ہی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے لیئے ان کے اپنے
ملک میں ہی ترقی کرنے کا میدان نہیں ہے پوست کی خوراک نے ان پر اثر
کاری کیا ہے۔ خود مسٹر ٹھیکری نے بتا دیا ہے کہ ہر ایک چیز جس سے ہیرو
اور دانا پیدا ہو سکیں زور سے دبا دیگئی۔

آج ہم مسٹر ٹھیکری کے الفاظ سنکر تھرا اُٹھتے ہیں۔ مگر کرتے وہی ہیں۔ جس کی
مسٹر ٹھیکرے نے سفارش کی تھی۔ لارڈ جارج ہملٹن نے کئی دفعہ ظاہر کیا ہے۔
کہ ہندوستان کی آبادی تمام روئے زمین کی آبادی کا پانچواں حصہ ہے۔ اگر
مسٹر راناڈے کو کوئی مناسب موقعہ دیا جاتا تو وہ اپنی نیکی اور اعلی کیریکٹر سے
دنیا کو حیرت میں ڈالدیتا۔ ہندوستان نے اگر کچھہ دکھایا ہے تو صرف روحانی
باتوں میں۔ رام موہن رائے۔ کیشب چندر سین۔ راما کرشن اور دیگر بنگالی روحانی
لیڈر اب زندہ نہیں ہیں۔ مگر ابتک روحانیت کے بڑے بڑے استاد ان کی
دل سے عزت کرتے ہیں اس کثیر مخلوق میں سے یہ چند ایک نامور اشخاص
کیا ہیں؟ اس خفیف تعداد کی کیا حقیقت سمجھی جا سکتی ہے؟ ہندوستان کو
موقعہ ہی نہیں دیا گیا۔ کہ اس اور دیگر صورتوں میں وہ اپنی بزرگی اور عظمت دکھا
سکے۔ جب یوروپ نے مارٹین لوتھر کو پیدا کیا تو اس نے دنیا کو ایک مذہبی ریفارمر
(مصلح) دیا۔ لیکن اُسی زمانہ میں ہندوستان نے بھی ایک مذہبی ہیرو (پہلوان)
پیدا کیا وہ پرمیشر کا اوتار تھا۔ اور آج بکثرت مرد اور عورتیں لارڈ گورنگا کے
نام سے اُسکی پرستش کرتے ہیں۔ گذشتہ صدی میں انگریزی عالم وفاضل غالباً
رابرٹ براوننگ اور جان رسکن تھے۔ لیکن اگر ان کا مقابلہ بنگال کے نہ تعلیم
یافتہ اور اُمی رام کرشن کے ساتھ کیا جائے تو انکی کچھہ حقیقت دکھائی نہیں دیتی جنہے
باوجود تحصیل علوم مروجہ سے بے بہرہ ہونے کے ایسا کلام کیا کہ اس کے زمانے
کے کسی روحانی لیڈر نے کلام نہ کیا تھا۔ اور جس نے خدا کی ہستی تھکے مانڈے

قانون (انسان) پر آشکار کردی۔ کیوں انڈیا کو روحانیت میں اتنا کم تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور دنیا کو اس کے فوائد سے محروم رکھا جاتا ہے جو اس کے تسلیم کئے جانے سے لازمی ہیں؟ میرے خیال میں خاصکر اسکی یہ وجہ ہے کہ ہندوستان میں پادریوں کی سوسائٹیاں بت پرستوں کو عیسائی بنانے کے لئے موجود ہیں۔ جب تمام کلیساؤں کیطرف سے ہندوستان میں پادری بھیجے جاتے ہیں تو سوائے معدودے چند لوگوں کے اس بات کا سمجھنا ان کے لئے ناممکن ہے۔ کہ ہندوستانی الہیات میں بھی یقیناً الہی ذات کا ظہور ایسے ہی پایا جاتا ہے جیسے کہ مغرب کے مقدس آدمیوں کے ایمان اور اعمال میں پایا جاتا ہے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدا کی روح القدس ان کے تمام خیالات اور اعمال پر نہایت مفید اور دائمی اثر رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ عیسائی پادریوں نے جو انگلینڈ سے ہندوستان بھیجے گئے ہندوستانیوں کے اعلی کیریکٹر اور شریفانہ زندگی کو تسلیم کرنے میں ان کو ایسا ضرر پہنچایا ہے کہ اسکی تلافی نہیں ہوسکتی۔

ایک بات ۱۸۰۸ء اور ۱۹۰۱ء کے زمانوں میں مشترک ہے یعنی اس باب کے آغاز میں لارڈ ولزلی اور لارڈ کرزن کا نام صرف تاثیر ڈالنے کے لئے نہیں لکھا گیا کہ ہندوستان کے ان حکمرانوں کا باہمی مقابلہ کسی طرح بھی ان کی شان کم نہیں کرتا۔ مختلف زمانوں کے مختلف حالات کو مدنظر رکھکر کہا جاسکتا ہے کہ ہر دو لارڈوں نے ایک ہی جوش سے اپنا اپنا کام شروع کیا۔ دونوں کو ہندوستان اور انگلینڈ کی خدمت کرنے کی دلی خواہش تھی۔ مگر ان کے سامنے کام سب سے زیادہ مشکل تھا۔ اول الذکر کا منشا تو تمام ہندوستان کو انگریزی حکومت کے ماتحت لانا تھا۔ اور آخر الذکر ان مشکلات کو حل کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا ہے۔ جو کوہ ہمالہ کے برابر پیدا ہوگئی ہیں۔ بوجہ اس کے کہ گذشتہ حکمرانوں نے جنہیں لارڈ کرزن بھی بحیثیت انڈر سیکرٹری فار انڈیا شامل ہے ان مشکلات کو تسلیم ہی نہیں کیا۔ جو بالکل ان کے یقین کے خلاف ظہور میں آرہی ہیں ہر ایک لارڈ نے بڑی فراخ حوصلگی کے ساتھ اپنے اپنے وقت کی مشکلا

کا سامنا کیا۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ زمانہ قدیم کا حکمران (لارڈ ولزلی) زیادہ
بہادر تھا۔ کیونکہ لارڈ کرزن بھی گو بہادر ہے۔ مگر اس نے تاحال کوئی ایسا
نمایاں کام نہیں کیا۔ جو ہندوستانیوں میں لارڈ ولزلی کی آغاز تعلیم کے برابر
کہا جاسکے۔ انگریزوں کا تعلق ہندوستان سے قریباً ایکسو ساٹھ سال سے
تھا۔ اور تیس سال سے بنگال میں اور اس سے زیادہ سال سے مدراس
میں انہیں بڑا اقتدار حاصل تھا۔ اب وقت تھا کہ تعلیم کے متعلق کچھ کیا
جاتا۔ لارڈ ولزلی بڑی تعریف کا مستحق ہے کہ اس نے تعلیم کی بنا ڈالی۔
گو اس سے تیرھویں سال بعد صرف ایک ہی انگریزی سکول احاطہ قدیم
یعنی مدراس میں جاری رہا۔ آجکل ایک انگلو انڈین اخبار جو حکومت کا بڑا
حامی اور وفادار ہے بلکہ اندھا دھند حمایت کرنے میں مشہور ہے۔ لارڈ
کرزن کی نسبت یہ کہنے میں تامل نہیں کرتا۔ کہ وہ اتنا کام کرنا چاہتا ہے
جو اس سے ہو نہیں سکتا۔ وہ انگریزی روایات کو نیست و نابود کر رہا ہے
اور یہ کہ انگریزوں نے ہندوستان کو اس لئے فتح نہیں کیا تھا۔ کہ کامل وقت
میں لارڈ کرزن وائسرائے بن جاوے۔ غرض لارڈ کرزن نے ہر دو اطراف کو
دشمن بنالیا ہے۔ اور عجب نہیں کہ اور بھی اس کے دشمن بنجاویں۔ مگر اسی
طرح لارڈ ولزلی کا حال ہوا تھا۔ اس پر بھی کورٹ آف ڈائرکٹرز نے نکتہ چینیاں
کی تھیں اور صرف بورڈ آف کنٹرول نے اسے سزا پانے سے بچایا۔ لارڈ
کرزن کو بھی ان لوگوں کی عقیدت بچا لے گی۔ جن کے فوائد کا وہ خواہشمند
اور کوشاں ہے۔

چونکہ ہندستان کے سالوں کا گول دائرہ ایک دفعہ پھر آغاز سے جاملتا ہے
اور جو کچھ گذر چکا ہے وہ پھر ہماری آنکھوں کے سامنے آتا ہے اس لئے
جو شخص اسکی تاثیروں اور نتائج کی پیمائش کرتا ہے وہ سن ۱۸۰۱ سے سالوں
کے لمبے سلسلہ کو الٹی طرف دیکھنے سے بہت کچھ علم حاصل کرسکتا ہے

ضمیمہ

ہندوستانی ساخت کے جہازوں کو ہندوستان اور انگلینڈ کے مابین تجارت

پہ لگانے کی مخالفت کرتے ہوئے کورٹ آف ڈائرکٹرز نے ایسی دلیل دی - جو آج نہایت ہی عجیب دکھائی دیتی ہے - جبکہ کثرت کے ساتھ لشکری تمام جہازوں پر جو مشرق کو جاتے ہیں - ملازم رکھے جاتے ہیں - کورٹ مذکور نے ہندوستان میں جہاز بنانے اور ہندوستانیوں کو جہازرانی پر ملازم رکھنے کے خلاف وجوہات بیان کرتے ہوئے ۲۷ - جنوری سنہ ۱۸۱۱ء کو ایسٹ انڈیا ہوس سے مندرجہ ذیل چٹھی لکھی -

۱۷) علاوہ ان اعتراضات کے جو بالعموم اس تجویز کے خلاف اٹھائے جا سکتے ہیں - ایک اعتراض خصوصاً ان جہازوں کے خلاف جو ہندوستان سے روانہ ہوتے ہیں - یہ ہے کہ انہیں لشکری یا ہندوستانی ملاح عموماً زیادہ تر ملازم ہوتے ہیں - اس قوم کے لوگ بلحاظ جسمانی طاقت کے سرد اور طوفانی سمندروں میں جہازرانی کے لایق نہیں انکی فطرت اور عادت گرم آب و ہوا کے مناسب حال ہے اور وہ صرف چھوٹے چھوٹے سفر ہی کر سکتے ہیں - جو مقررہ ہواؤں کے رخ پر کئے جاتے ہیں ہندوستان اور یورپ کے درمیان خصوصاً جب جاڑے میں ہمارے شمالی سمندر طوفانی ہو جاتے ہیں - لمبے سفر کی سختیاں برداشت کرنے کی ان میں طاقت نہیں پائی جاتی - نہ ہی ان میں جرات ہوتی ہے - کہ دشمن کا مقابلہ کر سکیں - اسلئے اس ملک کی تجارت اور مال کا زیادہ تر انحصار ایسے لوگوں پر کرنا سوائے ہندوستانی ساحل کے جہاں انہیں چنداں زیادہ خطرہ نہیں - نہایت نامناسب ہے - ایک بات ضرور ہے کہ جہازوں میں ہندوستانی ملازم رکھنے سے خرچ میں کفایت ضرور ہوتی ہے - اور اگر ان کی بجائے یوروپین رکھے جائیں - تو ان کی بڑی تنخواہوں اور دیگر اخراجات کی وجہ سے جہازوں کا خرچ زیادہ بڑھ جاویگا - مگر ہندوستانی ملازموں کے رکھنے میں جو اکثر مسلمان ہوتے ہیں - ایک بڑا بھاری نقص یہ بھی ہے - کہ جب وہ ہمارے

ساحلوں پر اُترتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں سے ملتے ہیں۔ جو ہماری قومی عزت کے لئے ننگ کا موجب ہیں۔ اور جو اعلیٰ خیال ہندوستانیوں کو ہندوستان میں ہمارے کیرکٹر کی نسبت ہوتا ہے وہ یہاں آکر بدل جاتا ہے اور ان کے دل سے ہماری عزت اور دہشت دور ہو جاتی ہے۔ انکی تعداد گو کہ تھوڑی ہے مگر جو حرکات وہ کرتے ہیں یعنی بھوکے اور ننگے گلیوں میں مارے مارے پھرتے ہیں ان کو دیکھکر پبلک کے دل میں غصّہ اور رحم بھرتا ہے رحم تو ان فلاشوں پر آتا ہے۔ اور غصہ کمپنی کے افسروں پر آتا ہے جو انہیں یہاں بھیجتے ہیں۔ کمپنی کو انہیں جمع کرکے کھلانے اور واپس بھیجنے میں بڑی تکلیف اور زیرباری ہوتی ہے انکو یہاں ایسی بُری عادات پڑجاتی ہیں۔ کہ ان مکانوں سے نکل بھاگتے ہیں۔ جہاں کسی نے انکو آرام سے رکھا ہوتا ہے باہر نکلکر وہ خیرایت مانگتے بدمعاشی کرنے لگ جاتے ہیں۔

اور انہیں سے اکثر سردی کی تاب نہ لاکر مر بھی جاتے ہیں اور بعض بالکل نکمے ہو جاتے ہیں۔

امریکہ اور دیگر ممالک میں جہاں اُنکی اتنی بھی خبرگیری نہیں ہوتی۔ انکی حالت اور بھی ناگفتہ بہ ہوتی ہے اس لیئے اس کمزور قوم کو مغربی ممالک میں لانے کے بجائے یہ تجویز ہونی چاہیئے۔ کہ وہ اپنے سمندروں سے باہر نہ جائیں۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ تھکان۔ آب وہوا اور بیماریوں کی وجہ سے وہ بالکل ہی غارت ہو جائیں۔

علاوہ اس کے جب وہ واپس جاتے ہیں تو ایسی بُری باتیں ہماری نسبت اپنے بھائیوں میں مشہور کرتے ہیں جو ہماری ایشیائی رعایا کے دلوں پر نہایت بُرا اثر کرتی ہیں۔

اور ہمارے کیرکٹر کی نسبت ان کے خیالات تبدیل کردیتی ہیں۔

حالانکہ ایشیا میں ہمارا اعلیٰ کیرکٹر ہی ہمارے اقتدار کا موجب ہوا ہے اور اس وجہ سے وہ لوگ ہماری نسبت اچھے خیالات رکھتے ہیں جن کے تبدیل ہو جانیکا بڑا بھاری اندیشہ ہے اور ایک دفعہ یہ جادو ٹوٹ گیا تو پھر ہمارا

کہیں ٹھکانا نہیں۔

ملاحوں کی اس جماعت کو ملازم رکھنے کی وجہ سے جو نقصان جان اور دیگر نقصانات پیدا ہونگے ان کے لحاظ سے شاید یہ ضروری ہوگا کہ یوروپین جہازی ملازم رکھے جائیں۔ اور کوئی شبہ نہیں کہ وہ جوق درجوق ہندوستان میں جائینگے۔ اور وہاں ایک نئی آبادی بنجائے گی۔ مگر یہ بھی ضروری ہوگا۔ کہ امن کے زمانہ میں ان کے بجائے انگریزی جہازی رکھنے پڑیں۔ جنکو ہندوستانی لشکروں کی ملازمت کی حاجت ہوگی۔ اور کوئی انگریز اس دل گردہ کا نہ پایا جائیگا جسکی یہ خواہش نہ ہوگی۔ کہ اس کے ہموطنوں کے لئے جنہوں نے ملک کی ایسی قابل قدر جنگی خدمات ادا کی ہیں۔ گذارہ کی سبیل نہ بنائی جائے اور ہندوستانی آدمی ہمارے جہازوں میں نوکر رکھے جائیں۔ اس لئے بلحاظ جسمانی۔ اخلاقی۔ تجارتی اور پولیٹیکل خیال کے ہندوستانیوں کی بڑی تعداد انگریزی جہازوں میں رکھنا سخت قابل اعتراض ہے۔ اور اس جہاز کو مطلق کوئی رعایت نہیں دینی چاہئے جس میں ہندوستانی ملاح ہوں (ضمیمہ ۷۴ تتمہ چوتھی رپورٹ ایسٹ انڈیا کمپنی صفحہ ۲۳-۲۴)

ہندوستان کی زرعی اور حرفتی دولت کس کی ہے؟

"جب لارڈ کلایو۔ مرشد آباد میں جو ۱۷۵۷ء میں قدیم بنگال کا دارالخلافہ تھا داخل ہوا۔ اس نے اسکی نسبت یہ لکھا۔ یہ شہر اتنا وسیع۔ آباد اور دولتمند ہے جتنا کہ لنڈن ہے فرق دونوں میں اتنا ہے کہ مرشد آباد میں لنڈن کی نسبت بکثرت آدمی بڑے ہی دولتمند ہیں"

اس کتاب کے مصنف پر یہ اعتراض کیا گیا۔ کہ اگر تم کہتے ہو کہ ہندوستانی دن بدن غریب ہوتے جاتے ہیں۔ تو ہندوستان کے ہر ایک بندرگاہ میں اور ہر ایک شہر میں جہاں ہم جا کر بڑی تجارت اور دولت دیکھتے ہیں وہ کس کی ہے؟

سوال نہایت واجب ہے اور ایسا ہے کہ بحیثیت محب الوطن ہونے کے جو برٹش کے نیک نام اور انگریزی حکومت کے فیض رسان نتائج کا رشک کھاتا ہے میں اس سوال کا جواب دینے پر مجبور ہوں۔ مگر افسوس ہے کہ فخر اور خوشی کے ساتھ نہیں۔ بلکہ دکھ اور رنج کے ساتھ۔

آج ہندوستان کی دولت اس کے مواشی۔ خیالات۔ معدنیات۔ مچھلی۔ جہاز۔ ریلوے۔ سڑکیں۔ سول ملازمت۔ علمی پیشے۔ فوجی عہدے۔ اور علی ہذا القیاس انسانی کوشش اور انسانی مفید صنعات کی مختلف صورتوں پر مشتمل ہے ان میں سے خاص ہندوستان کے لوگوں کے حصہ میں کیا آتا ہے؟ ان سے میری مراد وہ لوگ ہیں جو اس ملک کو اپنا آبائی ملک خیال کرتے ہیں اور اسے اپنا گھر سمجھتے ہیں۔ اس پر اپنی حوالک

کا انحصار رکھتے ہیں۔ اور یہ ہی خواہش رکھتے ہیں کہ اونکی بولا و
اسیطرح کرتی رہے۔
ذیل میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس سوال کا جواب دیتا ہوں۔

(۱) کھیت

کھیت۔ گورنمنٹ کے حقوق کے ماتحت ہندوستان کے ہیں۔ انہی
معنوں میں جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے سوائے مندرجہ ذیل کے۔
(الف) چائے کے باغیچے
(ب) کافی کے باغیچے۔
(ج) سن اور تیل کے قطعے۔
جو بالکل غیروں کے ہاتھ میں ہیں۔ اور جن کا منافع نہ ہندوستانیوں کو
ملتا ہے اور نہ ہی سوائے خفیف رقم کے ہندوستان میں رہتا ہے مثلاً
چائے کی کاشت کا صرف ۱/۱۲ حصہ ہندوستانی ہاتھ میں ہے۔ مزید براں۔
(د) کھیت اور اسکی پیداوار ملک کے قومی قرضہ کے اس حصہ میں رہن ہیں۔
جو پبلک ورکس کے علاوہ ہے۔ یہ رقم چھ کروڑ تیس لاکھ پونڈ سے زیادہ
ہے جو تمام ہندوستان کے ساڑھے تین سال کے کل مالیہ کے برابر ہے
اس رہن کی بالکل صحیح رقم تو دستیاب نہیں ہوسکتی۔ لیکن میں اسکا اندازہ
اچھے سال میں کل پیداوار زمین کا ۱/۲ لگاتا ہوں۔ یہ اندازہ غالباً بقدر دس
کروڑ روپیہ یا ۶۶۶۶۶۶ پونڈ کم ہے۔ جو بلحاظ مرتہن (مہذب قوانین
کے رو سے) چاہیے تو روپیہ کا تقاضا کر سکتا ہے۔ اس لیئے تمام ملک کے ہندوستانی کاشتکار و نکی
زمین قرضخواہوں کے رحم پر منحصر ہے جو قریباً سب کے سب انگریز ہیں
دراصل گاؤں کا ساہوکار دوسرے درجہ پر مرتہن سمجھا جاتا ہے اس بات
کا اندازہ کہ ساہوکاروں کا زمین پر کہاں تک دخل تصرف ہے اس خاص

لہ جیسا کہ ہندوستانی ساہوکار پنجاب کے نئے قانون اور بمبئی کے اسی قسم کے
قوانین سے پابند ہیں ویسے انگریز ساہوکار بھی قانون کا اثر ان پر مطلق نہیں پڑتا یہ بات کسی ایک انگریز کے
لیئے کوخوشی کن نہیں۔ مگر امر واقعی یہی ہے۔

قانون سے ہو سکتا ہے۔ جو پنجاب میں ساہوکاروں کو زمین کا مالک بننے
سے روکنے کے لئے نافذ کیا گیا ہے۔ اور ان مکاشفات سے جو دکن
کمیشن متعلقہ بلوہ پر ظاہر ہوئے۔ اور اس حقیقت سے کہ احاطہ بمبئی کے
ضلع سورت میں ۱۹۰۱ء میں پچاسی فیصدی مالیہ گورنمنٹ کو ساہوکاروں
نے ادا کیا تھا۔ ان تمام امور کے متعلق تفصیلیں اور تشریحیں کسی
اور جگہ اس کتاب میں دی گئی ہیں۔

(۲) مواشی

مواشی ہندوستانیوں کے اپنے ہیں۔ اس بارہ میں غیروں نے دخل نہیں دیا
اور دخل نہ دینے کی وجہ صرف یہ ہے۔ کہ یہ امر اس قابل نہ سمجھا گیا کیونکہ
ہندوستان میں مواشی تھوڑے ہیں۔ اسقدر تھوڑے کہ غیروں کی توجہ اس
طرف مائل نہیں ہو سکتی۔ نہ ان کی خرید و فروخت میں چنداں نفع ہے
اور نہ وہ ٹیکس کے قابل ہیں۔ انکی نسل گھٹا کر ان سے صرف ہل کا کام
لیا جاتا ہے اور۔ یا ان کا گوبر جلانے اور کھاد کے کام آتا ہے علاوہ اس
کے قحط کے ایام میں بکثرت ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس کے اندازہ کے لئے
میں حال کے ان سالوں کو نہیں لیتا۔ جنمیں مواشی بکثرت مر گئے ہیں
صرف ۱۸۹۰ء کے قحط کو لیتا ہوں۔ کیونکہ سرکاری طور پر یہ قحط مشتہر نہیں[1]
کیا گیا۔ اس سال برٹش انڈیا کی چودہ کروڑ کی آبادی میں (بنگال اس
میں شامل نہیں) کیونکہ اس کے متعلق واقفیت نہیں ملی) صرف
۵۰۰۶۵۷۰۹ مواشی تھے۔ یعنی گائے۔ بیل۔ بھینس۔ گھوڑے۔ ٹٹو
خچر۔ گدھے۔ بھیڑ۔ بکری وغیرہ۔ حالانکہ آسٹریلیا میں جہاں کی آبادی

[1] پادری نولز جنوبی ہند مشن نے ایک چٹھی مانچسٹر گارڈین کو لکھی جس میں اس نے
یہ فقرے لکھے "میرے اپنے پادریانہ تجربہ میں میں نے بڑی تحقیقات کے بعد معلوم کیا،
کہ ایک جماعت تین سو افراد کی فی کس یومیہ ایک فارذنگ (دمڑی) پر گزارہ کرتی تھی۔ گزارہ
کیا کرتا تھا۔ صرف جان بچاتے تھے۔ میں نے ایسے لوگ ہی دیکھے ہیں جو مردار کھاتے تھے
میں نے قحط زدہ لوگوں کی عکسی تصویریں اتاری ہیں جو بہت سے لوگوں کے کافی ہیں لیکن باوجود ان باتوں کے

صرف چالیس لاکھ یعنی ۴۰۰۵۵۳۱ مواشی تھی۔ اگر ہندوستان کی جو زراعتی ملک ہے (اگر دنیا میں کوئی ملک زراعتی کہا جا سکتا ہے) نسبت اسٹریلیا کے برابر رکھی جاوے تو یہاں ۲۶۲۸۰۰۰۰۰ مواشی ہونے چاہئیں تھے۔ مگر اس قدر مواشی اس کی ضرورت سے زیادہ ہوتے۔ اور ان کے چرنے کے لئے زمین کافی نہ مل سکتی۔ اس چراگاہ کے مسئلہ کے متعلق بھی ایک تجربے انصافی کی بیان کی جاتی ہے جو لوگوں پر کی جا رہی ہے ملکی فوج کو کاشت کے لئے گجرات میں زمین کی ضرورت پڑی۔ قریباً ۵۶۰ ایکڑ زمین انہیں اپنے مطلب کے موافق ملی۔ مگر وہ چراگاہ تھی۔ اور زمانہ قدیم سے ایسی ہی چلی آئی تھی۔ اگر اس میں زراعت کی جاتی یا کسی کو دے دی جاتی۔ تو گاؤں کے لوگوں کا سخت نقصان تھا گاؤں کے کاشتکاروں نے اعتراض اٹھایا۔ اور بڑا شور و غل ہوا۔ مگر ملکی فوج لوگوں کو ابدی زندگی بخشنے کے لئے آئی تھی۔ خواہ دنیاوی زندگی کا کوئی وجود نہ ہو۔ ان کے نزدیک یعنی مادی چیزوں کو ظاہر چیزوں اور زمینی چیزوں کو آسمانی چیزوں کے ساتھ یا دریاؤں کے ملا دینے سے خاتمہ ہو جاتا ہے۔ لوگ فساد کرنے پر تیار ہو گئے اور بڑی مشکل سے فساد رو کا گیا۔ ایک شخص کو جس نے پیچھے یہ کہا کہ سنائی دیتے کہا "لوگوں کو ضرور فساد کرنا چاہیئے تھا" اس کے جواب میں اس نے کہا کہ "شاید انہیں کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ وہ فساد کرنے پر تلے ہوئے تھے"۔

(۳) جنگلات

جنگلات کا انتظام گورنمنٹ کے قبضہ میں ہے اور اس کی آمدنی لیتی ہے ۱۸۹۸ میں اس مد کی کل آمدنی ۱۲۳۹۹۱۲ پونڈ تھی۔ اس میں سے فی پونڈ دس شلنگ اس کی نگرانی اور انتظام پر خرچ کیا جاتا ہے۔ لوگوں کو اس طریقہ انتظام کی بدولت

جو چراگاہوں کا نقصان پہنچا ہے اور ایندھن وغیرہ کا جو حرج ہوا ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا - بڑی بھاری رقم کاشتکاروں کو اس کے معاوضہ کے لئے دی جانے کی ضرورت ہے جن کے حقوق چرائی - ایندھن - جڑ بن وغیرہ کے سلب کئے گئے ہیں -

(۴) معدنیات

(الف) کوئلہ - تقریباً چالیس لاکھ ٹن کوئلہ ہندوستان کی کانوں سے نکالا جاتا ہے اور نکالنے والی سب کی سب انگریزی کمپنیاں ہیں -

(ب) لوہا - اس کی طرف مطلق توجہ نہیں - یورپین تو اس کی نہیں کرتے - کہ کانیں ساحل سے دور ہیں - اور دیسی اس لئے کہ ان کے پاس سرمایہ نہیں - اور نیز اس کام میں بہت سی واہیات روکاوٹیں ہیں - چند سال گذرے اصوبجات متوسط میں اس کی ایک حیران کرنے والی مثال قائم کی گئی - اب حکام خوش ہوں گے کہ اس وقت جس کوشش کو انہوں نے روک دیا تھا - اب کامیابی کے ساتھ جاری ہے انکی وہی مثال ہے - کہ

جو شخص کہ کر سکتا ہے اور کرتا نہیں ہے
وہ جب چاہے گا تو کر نہیں سکیگا -

(ج) سونا - بالکل یورپین لوگوں کے ہاتھ میں ہے -

(د) مٹی کا تیل - آسام اور برہما سے جو مٹی کا تیل نکالا جاتا ہے اس کی نسبت کوئی یادداشت نہیں ملی - کہ وہ کارخانے کس کے ہاتھ میں ہیں -

(۵) مچھلی

مچھلی پکڑنے کا کام سب کا سب ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہے

چند سال گذرے ہیں کہ انگلینڈ میں یہ کوشش کیگئی تھی کہ دس لاکھ روپیہ سے خلیج بنگالہ اور ساحل برہما پر مچھلی پکڑنے کے لئے ایک کمپنی قایم کی جائے۔ مگر کافی سرمایہ جمع نہ ہونے کی وجہ سے یہ تجویز عمل میں نہ لائی جاسکی۔

(۶) کارخانے

(الف) روئی کے کارخانے۔ روئی کے کل کارخانے ہندوستان میں ۱۹۰۹ء میں ۱۷۶ تھے۔ جنکا سرمایہ ۱۳۹۰۰۰۰۰ پونڈ تھا۔ اور ان میں ۱۵۶۰۵۶ لوگ کام کرتے تھے۔ یہ کارخانے قریبًا سب کے سب دیسیوں کے ہاتھ میں ہیں۔ اور سرمایہ بھی دو تہائی ہندوستان کا اور ایک تہائی یورپ کا ہے۔

بمبئی اور احمد آباد کے کارخانوں سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر ہندوستان کا سرمایہ ہندوستان میں لگایا جائے۔ تو ملک کو کس قدر فایدہ پہنچتا ہے ان کارخانوں سے جسقدر منافع ہوا ہے وہ بڑے شریفانہ کام میں لگایا گیا ہے پارسیوں کی فیاض جماعت کے ہاتھ میں زیادہ تر یہ کارخانے ہیں۔ اور ان کی فیاضی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر طریقہ حکومت بھی منصفانہ ہوتا۔ تو کس قدر فیاضی کے کام ہندوستان میں ہوسکتے تھے۔

(ج) سن۔ سوتری کے کارخانے۔ یہ تعداد میں صرف ۳۳ ہیں سرمایہ ۴۹۵۵۰۰۰ پونڈ ہے۔ ۹۵۵۴۰ آدمی کام کرتے ہیں اور قریبًا سب کے سب یورپین ہاتھوں میں ہیں۔

(ب) اونی اور کاغذی کارخانے۔ شراب کشی۔ روئی صاف کرنے۔ کاتنے اور دباؤ کافی۔ آٹا پیسنے۔ چاول۔ تیل۔ نیل۔ لکڑی کھانڈ اور ریشم کے کارخانے سب یورپین ہاتھ میں ہیں۔

(۷) مشترکہ سرمایہ کی کمپنیاں

ہندوستان بھر میں مندرجہ ذیل کمپنیاں ہیں

ساہوکارہ کی	۴۰۵	۴۴۱۱۳۵۸ پونڈ
بیمہ کی	۱۰۵	۱۴۶۰۹۳ "
جہازرانی کی	۹	۱۲۳۷۳۰۰ "
ریلوے اور ٹریموے	۱۹	۱۹۷۰۱۲۰ "
دیگر تجارتی	۳۵۲	۳۰۹۰۸۸۵ "
چاء	۱۳۵	۳۲۱۲۳۱۰ "
دیگر زرعی	۱۵	۱۱۳۱۸۶ "
کوئلہ	۳۴	۱۲۷۴۸۶۲ "
سونا	۱۲	۵۰۰۸۴۲ "
دیگر معدنی	۱۷	۲۴۸۲۷۸ "
روئی	۶۶	۵۵۲۶۹۳۴ "
سن	۲۰	۲۵۷۱۰۶۳ "
روئی و ریشم	۱۱۳	۶۹۲۷۳۰۳ "
روئی سن کے پریس	۱۱۶	۱۶۰۷۲۸۱ "
دیگر	۹۹	۲۶۷۰۶۶۵ "
میزان	۱۴۱۷	۳۵۵۰۶۴۴۹ پونڈ

اس سرمایہ میں سے روئی کے کارخانوں کو بھی حساب میں شمار کر کے صرف ایک کروڑ پونڈ ہندوستانی سرمایہ پایا جاتا ہے۔ اور اس بات پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ ہندوستان بھر کے ساہوکارہ بیمہ اور دستکاریوں پر تین کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ سے بھی کم سرمایہ خرچ ہو رہا ہے حالانکہ ہندوستان کی سلطنت بڑی وسیع اور عظیم الشان ہے اور انگریزوں کے قبضہ میں اسے آئے ہوئے قریباً ڈیڑھ سو سال گذر چکے ہیں۔ ذرا اس کا مقابلہ صرف ایک

مانچسٹر شہر کے ساتھ کریں تو سخت حیرت ہوتی ہے جہاں آٹھ بینک ہیں جن میں
کروڑ ستر لاکھ پونڈ اور سنہ ۱۸۸۱ء میں اکتیس کروڑ اکیاسی لاکھ پونڈ
سرمایہ لگا رہا تھا۔ مانچسٹر کی تجارتی کمپنیوں کی اتنی تعداد ہے کہ ان
کی تفصیل مشکل ہے۔ اس کی انجمن تجارت ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ تک
شہر اور ضلع میں تجارت کے لئے سربراہ رہی۔ وہاں گیارہ
مشترکہ سرمایہ کے بینک ہیں جن میں سے سات کے ہیڈ آفس شہر
میں ہیں۔ ان بینکوں کی بیشمار شاخوں کے علاوہ جو گرد و نواح
کے اضلاع میں پھیلی ہوئی ہیں۔ صرف شہر میں سولہ شاخیں
ہیں پرائیویٹ ساہوکار بھی بکثرت ہیں۔ اس وقت سے شہر کی تجارتی
ترقی حیرت انگیز ہوئی ہے۔ میں نے مسٹر الیجاہلم سکرٹری انجمن
تجارت مانچسٹر سے کچھ دریافت کیا تھا۔ جس کے جواب میں اس
نے حسب ذیل لکھا۔

آپ نے جو اس شہر کے تجارتی کاروبار کے متعلق دریافت کیا
ہے اس کا صرف قیاس سے ہی جواب دیا جا سکتا ہے۔ صحیح
اعداد تک پہنچنا نہایت مشکل ہے میرے خیال میں اگر کوئی
اندازہ کیا جا سکتا ہے تو یہی ہے کہ ساہوکاروں کے داد و ستد
کے سالانہ نقشوں کا مطالعہ کیا جائے سنہ ۱۸۹۱ء میں یہ داد و ستد
۱۳۱۱۵۳۹۰۶۱ پونڈ تھی اور سنہ ۱۹۰۱ء میں ۲۲۸۷۵۰۰۴۰۰ پونڈ
اتنی رقم کی ہنڈیاں مانچسٹر کے مختلف بینکوں میں واپس آئیں
مگر اس میں وہ رقم شامل نہیں جو بینکوں نے اپنے گاہکوں
کو ادا کی یا ان کی جمع کی۔ ان دو سالوں میں ترقی کی وجہ یہ ہے
کہ ادائیگی بذریعہ ہنڈی کرنے کا رواج ہو گیا ہے۔ اور اس
داد و ستد کی ترقی سے کاروبار میں بھی ترقی ہوئی ہے اس
میں کوئی شبہ نہیں کہ مانچسٹر کی دستکاری اور تجارت سال
بسال بڑی ترقی کرتی آئی ہے۔ لیکن میں اس ترقی کے نتائج

اجارہ دینے کے نا قابل ہوں۔ اور نہ ہی کبھی اس قابل ہوں
سرمایہ کے سرمایہ کی کمپنیوں کے کاروبار کے متعلق صحیح ہے۔ اب
کاشتکاروں کی کوآپریٹو کمپنیاں ہیں بعض حصہ دار کمپنیاں ہیں اور
بعض خاندانی ہیں جو ایک کمپنی کے ماتحت ہیں۔ اور
ان کے حصے نہیں ہیں۔

(۸) ریلوے

ہندوستان میں ریلوں کی لمبائی بائیس ہزار میل ہے اور ان پر معہ
قیمت زمین نقصان سود اور دیگر اخراجات کے تیس کروڑ پونڈ
سے زیادہ خرچ آتا ہے۔ جسقدر سرمایہ ریلوں میں لگایا گیا ہے
وہ سب کا سب یورپین کا ہے۔ سوائے اس کے جو ماتحت ریاستوں
نے فیاضی سے بطور قرضہ دیا ہوا ہے اس کے صرف ایک حصہ کے
لئے ادائیگی کا انتظام کیا گیا ہے اور وہ بھی ہندوستانی ٹیکس
ادا کنندہ کے لئے (دیکھئے کہ شرقی ہند اور عظیم جزیرہ نما ہند کی ریلوں
کی حالت میں) بڑے مہنگے داموں پر۔ اگر شروع میں ہی ادائیگی
کی قرضہ مہیا کیا جاتا ہے تو ہندوستانی ٹیکس ادا کرنے والوں کے کئی
لاکھ پونڈ بچ رہتے۔ اور اس عقلمندانہ طریق سے ابتدائی ریلوے
چھڑائی جاتیں بیشتر اس کے کہ چاندی کی قیمت میں کمی ہوتی۔
ان تمام کاروبار میں ہندوستان کو سخت نقصان پہنچا ہے حساب
سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری آمدنی میں سے ۴۰ کروڑ پونڈ ان
حصہ داروں کو بطور سود دیئے گئے ہیں۔ جن کے لئے گورنمنٹ
ضامن تھی۔ یہ رقم ہندوستان کو کبھی وصول نہ ہوگی۔
اس ضمانت کے طریقہ کا جس طرح عملدرآمد ہوتا رہا۔ اس کو
مس انجیل فیری ایم۔ اے نے ایک مضمون میں بیان کیا
ہے۔ جو اس نے "ہندوستانی ضمانت شدہ ریلوے" پر لکھا
ہے۔ لیسر فیری کے خیال اور عمل کی تشریح کے متعلق جو

سنہ ۱۹ء میں برٹش ایسوسی ایشن کی علمی اقتصادی شاخ کے روبرو پڑھی گئی۔

مس فریڈ یوں لکھتی ہے:۔ دیگر ذریعوں کی مانند لیسیز فیری نے ثابت کیا ہے کہ نتیجہ عمل میں اس سے کم مفید ہوتا ہے۔ فقط خیال میں اور اسکی تشریح ہندوستان کی باضمانت ریلوے کی آخری تاریخ سے سمجھی ہو جاتی ہے۔ باضمانت طریقہ دراصل عملی تدبیر تھی۔ اس کو انگریزی گورنمنٹ نے ۱۸۶۹ء میں پھر زندہ کیا۔ اور لیسیز فیری کے خیال پر اس کو ترجیح دی گئی۔ جسکی یہ مراد تھی کہ ریلوے کی مالک براہ راست سرکار ہوا کرے۔ لارڈ لارنس نے اس طریقہ کو ہندوستان کے مناسب حال خیال کیا۔ جب تینوں ریلویز (عظیم جزیرہ نما ہند۔ بمبئی بروده اور وسط ہند اور مدراس ریلویز) کے ساتھ اقرار نامہ جدید کیا گیا۔ تو اس میں یہ قرار پایا۔ کہ کمپنیوں کو پانچ فیصدی سود جسکی سرکار ضامن تھی معہ نصف منافع کے ملا کرے۔ کمی آمدنی کا کوئی لحاظ نہ ہوگا۔ اور انگلینڈ میں جو نقدی بھیجی جائے۔ وہ فی روپیہ ایک شلنگ دس پنس کے حساب سے روانہ کی جاوے۔ اور اندازہ حساب ششماہی کی بنا پر کیا جاوے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گورنمنٹ انڈیا کو گھاٹے والی ششماہیوں کا تمام بوجھ برداشت کرنا پڑا۔ اور نفع والی ششماہیوں کا بھی فایدہ نہ اٹھانا ملا۔ بوجہ اس کے کہ روپیہ کی قیمت ایک شلنگ دس پنس سے بھی کم ہوگئی۔ حصہ داروں کو بتدریج منافع کا زیادہ حصہ ملتا رہا۔ جب کہ معاہدہ کی وجہ سے گورنمنٹ کو برابر پانچ فیصدی سود دینا پڑا۔ حالانکہ گورنمنٹ اڑھائی فیصدی سود پر روپیہ اٹھاکر قرضہ اتار سکتی تھی۔ اس طرح گورنمنٹ کو اپنے اعتبار اور روپیہ کی ارزانی کا فایدہ اٹھانے کا موقعہ نہ ملا۔ ان تینوں لائینوں سے سنہ ۱۹۰۳ء میں سالانہ منافع ۷ء۹۵ فیصدی انگلینڈ کو بھیجا جاتا تھا

اور گورنمنٹ کو ایک کروڑ تیس لاکھ روپیہ سالانہ نقصان ہوتا رہا۔ یا یوں کہو کہ انگریز حصہ داروں کی خاطر ہندوستانی ٹیکس ادا کرنے والوں کو یہ بھاری رقم بھرنی پڑی۔"

اس مضمون کے متعلق اور حوالے بھی دیئے جا سکتے ہیں۔ متوفی رابرٹ براؤن ساکن گلاسگو نے جس نے ہندوستان کے حالات کا بڑی دلچسپی سے مطالعہ کیا ہوا تھا۔ ایک رسالہ میں (۱۹۱۳ء) یوں لکھا ہے۔

"گورنمنٹ کبھی کبھی کوئی ریلوے خرید کرتی ہے۔ جو در اصل برائے نام خود مختار کمپنیوں نے بنائی ہوتی ہے۔ چنانچہ ۱۸۸۹ء میں اودھ روہیلکھنڈ ریلوے اور ۱۸۹۰ء میں جنوبی ہند ریلوے خرید کی گئیں۔ یہ دونو اس طریقہ کی واضح طور پر تشریح کر دیتی ہیں۔ جنہیں گورنمنٹ کی ضمانت پر کمپنیاں ریلوے بناتی ہیں۔ اول الذکر ریلوے کی بابت گورنمنٹ کو ۴۸۲۳۲۳۲ روپیہ نقصان سود کی ضمانت کے متعلق اٹھانا پڑا۔ اس پر بھی اس ریلوے کا سرمایہ حصص چالیس لاکھ پونڈ پر بحساب پچیس پونڈ اٹھارہ شلنگ ایک پنس فیصدی خرید کیا گیا۔ کیونکہ گذشتہ تین سالوں میں بازاری نرخ سٹاک کا بحساب اوسط اسی قدر تھا۔ اس قیمت کو ریلوے کی آمدنی کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔ بلکہ اس کا انحصار محض گورنمنٹ کی ضمانت پر تھا بازاری قیمت وہی تھی۔ خواہ ٹریفک کی آمدنی کچھ بھی نہ ہو۔ اسی طرح جنوبی ہند ریلوے کا ۳۲۰۸۵۰۸ پونڈ سرمایہ ۹۸۹۰۴۸ پونڈ گیارہ شلنگ ۲ پنس پر خرید کیا گیا۔ حالانکہ ۳۰ جون ۱۸۹۸ء تک گورنمنٹ ۹۹۵۸۴۹۱ پونڈ نقصان برداشت کر چکی تھی۔ کیونکہ آمدنی با ضمانت سود سے کم آتی تھی۔ اس سے کچھ عرصہ پہلے شرقی ہند ریلوے جو مفید لائنوں میں سے ایک ہے ۶۵۵۰۰۰۰ پونڈ پر خرید کی گئی۔"

سنہ ۱۹۰۰ء میں جبکہ یہ صفحے ابھی چھاپہ خانہ میں تھے۔ ڈائرکٹر جنرل ریلوے نے اپنی رپورٹ میں یہ ریمارک کیا کہ گزشتہ سال میں اخراجات کی مد پر سرکاری ضمانت سے بنی ہوئی ریلوے کے معاہدہ کی شرائط کی وجہ سے بڑا بوجھ پڑا ہوا ہے۔ ان معاہدوں کے رو سے بلا ضرورت زیادہ سود دینا پڑتا ہے اور مبلغ ۲۲ پنس فی روپیہ کے حساب سے دینا پڑتا ہے حالانکہ اس وقت مروجہ تبادلہ ۱۶ پنس ہے۔ جب تک ان معاہدوں کی میعاد ختم ہو جائے۔ تب تک گورنمنٹ روپیہ کی ارزانی ملک کے اچھے اعتبار اور شرح تبادلہ سے کوئی زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکتی۔

(۹) آبپاشی کے کام

آبپاشی کے کاموں پر تیس کروڑ پونڈ خرچ آتا ہے۔ جو غالباً سب کا سب انگلینڈ کا[۵] ہے۔

---

۵ بعض سرکاری عذر خواہوں نے اس خرچ کی بابت بڑی شیخیاں بگھاری ہیں۔ جیسے مسٹر جے۔ ڈی۔ ریس۔ سی۔ آئی۔ ای نے اپنے مضمون (واقعات قحط اور کوتاہیاں) کے صفحہ ۳۳ میں لکھا ہے لیکن مسٹر جان برائیٹ نے اس قسم کے تمام دعووں کی صاف تردید کر دی۔ اور انہیں ہنسی میں اڑا دیا۔ چنانچہ ۱۸۵۸ء میں اس نے کہا:-

ہم سنتے ہیں کہ نوے لاکھ یا ایک کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ آبپاشی کے کاموں پر خرچ کیا گیا ہے مگر یہ رقم ہندوستان کی حیثیت کے سامنے کیا حقیقت رکھتی ہے؟ صرف مانچسٹر کے قصبہ میں جہاں پانچ لاکھ کی آبادی ہے۔ بیس لاکھ پونڈ خرچ ہو چکے ہیں اور اب پارلیمنٹ سے درخواست کی گئی ہے کہ پچیس لاکھ پونڈ اور خرچ کرنے کی منظوری دی جاوے۔ اس طرح کل رقم پینتالیس لاکھ پونڈ ہو جائے گی۔ اتنی کثیر رقم صرف اس لئے خرچ کی جا رہی ہے کہ شہر کے باشندوں کے لئے صاف اور کافی پانی مہیا کیا جا سکے۔ لیکن ہندوستان میں بیس کروڑ آدمی انگریزی رعایا ہیں

(۱۰) جہاز

جہازوں میں ہندوستانیوں کے لیے کوئی کام نہیں سوائے اس
کے کہ وہ کہیں کہیں بطور کلرک یا مزدوروں کے مقرر ہیں۔ اور بعض
دیسی جہازوں میں پائے جاتے ہیں۔ جہاز بھی سوائے معدودے چند
کے سب کے سب غیر ممالک کی ساخت ہیں اور صرف عزیز پروشاد اور
شرقی و برٹش انڈیا کمپنیوں میں لشکری بطور معمولی ملاحوں کے
مقرر ہیں۔ باقی سب میں دیسیوں کا کوئی دخل نہیں۔ سب کے سب
یورپین ہاتھوں میں ہیں۔ سنہ ۱۸۹۸-۹۹ء میں کل جہاز ۹۱۱۵۷۲۴ ٹن
تھے۔ انہیں سے صرف ۳۳۰۴۳ ٹن ہندوستانی تھے۔ لیکن چالیس
سال گذرے ہیں کہ ہندوستانی سمندروں میں ہندوستانی جہاز
ایک تہائی تھے۔

(۱۱) سول ملازمت

سول محکمجات کی تنخواہیں اور اخراجات سنہ ۱۸۸۶-۸۷ء میں ۱۱۶۲۹۱۴۸ روپیہ
(۷۸۱۶۴۳ پونڈ) تھے دو سال بعد ۱۳۰۱۳۵۴۴ روپیہ (۸۶۷۵۹۶ پونڈ)
ہوگئے۔
سنہ ۱۸۹۸-۹۹ء میں ۱۵۷۲۳۳۰۳ روپیہ (۱۰۴۸۱۴۷ پونڈ) ہوگئے۔
اس کثیر رقم میں سے ۸ ہزار یورپین اسّی لاکھ روپیہ لیجاتے ہیں جبکہ
قریباً ایک لاکھ ۳۰ ہزار دیسی صرف ۷۰ لاکھ روپیہ پاتے ہیں۔ باقی (

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۵۳۔ اور باوجودیکہ وہاں بارشیں بکثرت ہوتی ہیں اور بڑے بڑے دریا
اس میں بہتے ہیں اور آبپاشی کے میرے خیال میں بکثرت وسائل ہیں۔ وہاں صرف
ایک کروڑ ساٹھ لاکھ صرف ہوئے ہیں۔ بعض حکام کہتے ہیں کہ دو کروڑ پونڈ
خرچ ہوئے ہیں۔ خواہ ایک کروڑ ساٹھ لاکھ ہو اور خواہ دو کروڑ۔ مگر ملک
کی وسعت اور اسکی ضرورت کے بالمقابل اس رقم کی کیا حیثیت ہے۔
مسٹر ڈیبس کے مضمون پر یہ جا نکتہ چینی ہوگی کہ اس کو غیر سرکاری نکتہ چینیاں
کی حیثیت سے مطلق واقفیت نہیں پہنچی اسکی تمام دلائل کو منسوخ ہی کر دیتا ہے۔

پھر کیا؟

یہ سوال میرا ہے؟ اور میں نہایت ادب مگر زور کے ساتھ لارڈ
جارج ہملٹن وزیر ہند اور اس کے نائب ممبران کونسل انڈیا آفس
کے افسران محکمجات۔ لارڈ کرزن وائسرائے و گورنر جنرل اور ہز اکسلنسی
کے تمام ماتحتوں سے یہ سوال پوچھتا ہوں جب تک اس سوال کا جواب
نہ دیا جائے۔ میں اسے برابر پوچھتا رہوں گا۔

خواہ میں کیسی ہی کمزور ہستی ہوں
مگر کبھی اس امید سے مایوس نہ ہونگا۔

کہ کوئی دن کہیں اور کسی طرح آئے گا۔ جبکہ اس سوال کا جواب
ایسی طرز سے دیا جائے گا۔ کہ ہندوستان ایک دفعہ پھر اپنے
باشندوں کے لئے ایسا ہی سر سبز اور خوشحال بنجائے۔ جیسا کہ
وہ ان غیروں کے لئے بن رہا ہے۔ جو اس کے پھاٹکوں کے اندر
ڈیرا لگائے ہوئے ہیں۔ میں پھر یہ سوال وائسرائے اور ہر ایک
ممبر خواہ وہ کونسل میں ہے یا کونسل سے باہر ہے خصوصاً مسٹر
ایچ۔ جے۔ ایس۔ کاٹن۔ سی۔ ایس۔ آئی چیف کمشنر آسام سے
پوچھتا ہوں۔ جس نے سنہ ۱۸۸۶ میں بڑی دانائی اور بڑی اچھی طرح
سے دیکھ لیا کہ اکونومک انقلاب کا جو انگریزی حکومت سے پیدا
ہوا۔ ملک کی خوشحالی پر نہایت ہی افسوسناک اثر پڑا
ہے۔

ایک سوال میں اور کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے:- "وہ کون ہوگا۔
جو انگلینڈ کو اس بات کی سمجھ دے۔ کہ وہ سال بسال ہندوستان
سے بڑی بڑی رقمیں بدون کوئی معاوضہ دینے کے نکال کر
ہندوستان کو سخت ضرر پہنچا رہا ہے؟

ایک دولتمند قوم جو دنیا بھر میں سب سے زیادہ مالدار ہے ایک
غریب قوم کی رگوں اور شریانوں سے جو دنیا بھر میں سب سے زیادہ

مفلس ہے۔ اس کی جان کا خون نکال رہی ہے۔ دولتمند کے لفظ سے میری مراد صرف انگلینڈ کے متمول لوگ نہیں ہیں۔ بلکہ ذرا اس حقیقت پر بھی غور کرو۔

انگلینڈ کی ادنیٰ مڈل کلاس اور حرفت پیشہ لوگوں نے جو ساٹھ لاکھ خاندان ہونگے۔ ۳۲۲۱۴۶۴۲۲ پونڈ کی کثیر رقم بچا کر ہر قسم کی سوسائٹیوں۔ تجارتی کمپنیوں اور بنکوں میں لگا رکھی ہے کتنے لوگ ہیں جو اس بچت کی حقیقت سمجھ سکتے ہیں؟ یہ بچت ہے۔ میں اس فیکٹ پر اور زور دیتا ہوں۔ اتنی کثیر رقم معہ ان تمام قیمتی چیزوں کے جو ان کے گھروں میں ہیں اور اپنا قرضہ وغیرہ ادا کرنے کے بعد انگلینڈ کے باشندوں کے پاس بچی ہوئی ہے!

ہندوستان نے کسی سرسبز سال میں جبکہ وقت پر بارشیں خوب ہو جائیں۔ جب کہ زمین پر کافی طور پر ہل چل جائے۔ سورج بھی بخوبی فیض پہنچائے۔ جب کیڑے مکوڑے فصل کا نقصان نہ کریں۔ جب مواشی بکثرت ہوں۔ اور جب بڑی اچھی فصل کاٹ کر گھر لائی جائے۔ گو ایسا سال دس سال میں بہ مشکل ایک دفعہ آتا ہے۔ تو اس سال ہمالیہ کی برفول سے خط استوا کی دھوپ تک شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کے وسیع ہندوستان میں

تمام پیداوار کی پوری قیمت پندرہ کروڑ پونڈ ہوتی ہے۔ جو انگلینڈ کے

اور نئے مڈل کلاس۔ اور مزدوری
اور حرفت پیشہ لوگوں کی
بچت سے ہی کم ہے جیسے انہوں
نے نہایت اچھے منافع پر لگایا
ہوا ہے۔

یا یوں سمجھو۔
انگریزی مڈل کلاس
اور حرفت پیشہ جماعت
کی بچت ۳۲۲۱۴۶۴۲۰
پونڈ۔ یا تخمیناً ۳۲ کروڑ
پچاس لاکھ۔

اسی سال میں ہندوستان
کی کل پیداوار کی قیمت
۲۵۸ کروڑ روپیہ
یعنی سترہ کروڑ بیس
لاکھ پونڈ یا تخمیناً ۲۳ کروڑ

میں ناظرین سے التماس کرتا ہوں۔ کہ اس باب
کو ابتدا سے پھر پڑھیں۔ اور ایک دفعہ اور تمام
زیر بحث معاملات پر غور کریں۔ ساتھ ہی وہ اس
بات کو بخوبی یاد رکھیں۔ کہ تمام اعداد سراسر
سرکاری ہیں۔ پھر اس کے بعد وہ اپنے آپ
سے یہ سوال کریں۔

جب ایسے حالات ہیں۔ تو ہندوستان

کس طرح خوش حال ہو سکتا ہے؟

لیکن اس پر بھی وزیر ہند کی زبان اور قلم سے ہر ایک بجا و بیجا موقعہ پر نہایت زور سے یہی نکلتا ہے کہ

ہندوستانی بڑے سرسبز

اور

خوش حال ہیں!!!

قحط سے صرف ہندوستان میں دس سال کے عرصہ میں ایک کروڑ نوے لاکھ آدمی ضائع ہوئے
جنگ سے دنیا بھر میں ایکسو سات سال کے عرصہ میں صرف پچاس لاکھ آدمی ضائع ہوئے

(دائرہ اور مستطیل ملاحظہ ہو)